یکم اپریل 786/92/66 2002ء

فیض گنج بخش دنیائے عرب میں

سفیر اسلام
مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی
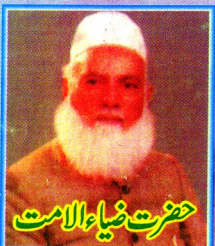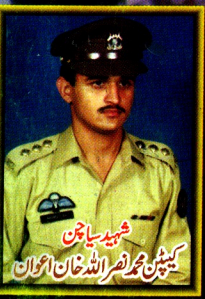
تفسیر کبیر کی روشنی میں
شفاعت مصطفےٰ ﷺ

حافظ الملت حافظ محمد صدیق
(بھرچونڈی شریف)

حضرت ضیاء الامت

ڈھانگری شریف میں
107 واں عرس مبارک

پیر سید بشیر احمد خورشید

اگر آج بھی مولانا شاہ احمد نورانی
کی قیادت میں قوم اکٹھی ہو جائے تو
انقلابِ نظام مصطفےٰ
برپا ہو جائے

حضرت علامہ پیر سائیں
قدس سرہ العزیز
حافظ محمد عبدالغفور قادری

شہید سیاچن
کیپٹن محمد نصر اللہ خان اعوان

استاذ العلماء مولانا محمد عبدالحق بندیالوی سے مفصل انٹرویو

انوار رضا لائبریری بلاک نمبر ۴ جوہر آباد ضلع خوشاب فون: 0454/721787

زیر ادارت
ملک محبوب الرسول قادری

چیف ایگزیکٹو
مفتی آصف محمود قادری

مدیران معاون
صاحبزادہ طاہر سلطان قادری
محمد تاج قادری رحمانی

سرکولیشن مینجر صوفی حافظ محمد یوسف قادری

زیر سرپرستی
سیاح حرمین حضرت بابا پیر سید طاہر حسین شاہ نقشبندی،
پیر طریقت صاحبزادہ محمد عتیق الرحمان (ڈھانگری شریف)
استاذ العلماء مولانا مفتی محمد عبدالحق بندیالوی،
پروفیسر صاحبزادہ محبوب حسین چشتی (بیربل شریف)

مجلس تحریر
محقق العصر مفتی محمد خان قادری
پروفیسر محمد ظفر الحق بندیالوی
پروفیسر حفیظ تائب، سید صابر حسین بخاری
علامہ مفتی محمد عبدالحکیم شرف قادری
سید عبداللہ شاہ قادری، طارق سلطانپوری

قیمت فی شمارہ -/30 روپے

مجلس انتظامیہ
مرزا کامران بیگ، ملک محمد قمر الاسلام، مظہر حیات قادری

مجلس مشاورت
پیر طریقت میاں غلام صفدر گولڑوی، ملک مطلوب الرسول اعوان، ملک محمد فاروق اعوان،
سید ضیاء النور شاہ، حافظ خان محمد ماہل ایڈووکیٹ، الطاف چغتائی، پروفیسر قاری محمد مشتاق انور،
ملک الطاف عابد اعوان، ملک قاری محمد اکرم اعوان، ریاض صدیق ملک، محمد جاوید اقبال کھارا،
مرزا عبدالرزاق طاہر، صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ، ڈاکٹر محمد تسلیم قریشی، مفتی محمد حفیظ اللہ چشتی

حسن ترتیب

اپنی بات

آئیں! اناؤں کو قربان کریں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں دو قومی نظریہ کا پہلا فتویٰ چودھویں صدی ہجری کے مجدد سیدنا اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے 1894ء میں جاری فرمایا جو قیام پاکستان کے سلسلہ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ پھر قیام پاکستان سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد مختلف ادوار مثلاً 1897ء میں پٹنہ سنی کانفرنس، 14 اکتوبر 1939ء مراد آباد سنی کانفرنس، 27 اپریل 1946ء بنارس سنی کانفرنس، 1946ء اجمیر سنی کانفرنس، 13,14 جون 1970ء دار السلام (ٹوبہ) سنی کانفرنس، 9,8 اگست 1970ء کراچی سنی کانفرنس، 16,17 اکتوبر 1978ء ملتان سنی کانفرنس برصغیر میں ہماری دینی تاریخ کا سنہرا دور تھا۔ بعد ازاں رائے ونڈ، لاہور موچی دروازہ، خوشاب غلہ منڈی، لاہور مینار پاکستان، کراچی نشتر پارک، اور چوک اعظم (لیہ) میں کانفرنسیں منعقد کی گئیں جن کا مقصد عقائد اہلسنت کا تحفظ، حقوق اہلسنت کی بحالی اور دینی و مسلکی حوالے سے قوم میں بیداری تھا۔ اب کی بار مدینۃ الاولیاء ملتان شریف، میں حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کی زیر سرپرستی اور امیر اہلسنت حضرت صاحبزادہ پیر میاں عبد الخالق سجادہ نشین بھرچونڈی شریف کی زیر صدارت منعقد ہونے والے عظیم الشان ملک گیر "سنی ورکرز کنونشن" کا مقصد بھی وطن عزیز پاکستان میں معاشرتی اصلاح اور نفاذ نظام مصطفےٰ ﷺ کی راہ ہموار کرنا ہے۔

اس نازک مرحلہ پر سنجیدہ فکر، طبقہ میں جس بات کی شدت سے کمی محسوس کی جا رہی ہے وہ اہلسنت و جماعت کے مختلف طبقات کا باہمی اتحاد و اتفاق ہے۔ موجودہ حالات میں رسائل و اخبارات میں ایک دوسرے پر بے بنیاد الزامات عائد کرنے اور اجتماعات میں کمزور گفتگو کرنے کی جو ریت چل نکلی ہے بہر حال یہ ہمیں کسی بھی صورت میں زیب نہیں دیتی اور نہ ہی کسی قیمت میں وارا کھاتی ہے۔ اہلسنت ایسی گفتگو کے ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے لہذا ہماری دردمندانہ گزارش ہے کہ اپنی صحافتی توپوں کے رخ ایک

دوسرے کے بجائے، مخالفین اسلام اور دشمنان پاکستان کی طرف کیجیئے۔ باہمی اختلافات اور اناؤں کو ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لئے قربان کیجیئے۔ مخالفین کے سامنے مزید "تماشا" بننے سے گریز کیجیئے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمنوں کو منفی اور بے بنیاد ریکارڈ کی صورت میں اپنے خلاف ہتھیار ہرگز فراہم نہ کیجیئے۔

قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی پوری قوم کے بزرگ راہنما ہیں ان کی علمی وجاہت، روحانی مقام، سیاسی بصیرت، کردار کی پختگی، عتقادی تصلب اور حب الوطنی پر ایک زمانہ گواہ ہے ان کی زندگی میں ان سے ملک وقوم کا کوئی فائدہ اٹھایئے اور اپنے مستقبل کو محفوظ وبہتر بنایئے یہ آپ کی، ہماری، سب کی اجتماعی ذمہ داری ہے اگر ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے تو کل یوم حشر سوائے ندامت وشرمندگی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہمارا دشمن بڑا مکار ہے اس کے حربوں میں نہ آیئے اور مومنانہ فراست سے اس کی چالوں کو ناکام بنا دیجیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو اور حضور سید عالم ﷺ ہمارے شافع ہوں۔ بقول اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہنا، چوروں کی رکھوالی ہے

غبار راہ حجاز

ملک محمد محبوب الرسول قادری

(مدیر اعلیٰ)

نعت سرور کونین ﷺ

سنتے ہیں محشر میں صرف ان کی رسائی ہے　　گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
مچلا ہے کہ رحمت نے امید بندھائی ہے　　کیا بات تیری مجرم! کیا بات بن آئی ہے
سب نے صف محشر میں للکار دیا ہم کو　　اے بے کسوں کے آقا! اب تری دہائی ہے
یوں تو سب انہی کا ہے پر دل کی اگر پوچھو　　یہ ٹوٹے ہوئے دل ہی خاص ان کی کمائی ہے
زائر گئے بھی کب کے دن ڈھلنے پہ ہے پیارے　　اٹھ میرے اکیلے چل کیا دیر لگائی ہے
بازار عمل میں تو سودا نہ بنا اپنا　　سرکار کرم تجھ میں عیبی کی سمائی ہے
گرتے ہوئے کو مژدہ سجدے میں گرے مولا　　رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے
اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہو تو جل ہی اٹھ　　دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے
مجرم کو نہ شرماؤ احباب کفن ڈھک دو　　منہ دیکھ کے کیا ہوگا، پردے میں بھلائی ہے
اب آپ سنبھالیں تو کام اپنے سنبھل جائیں　　ہم نے تو کمائی سب کھیلوں میں گنوائی ہے
اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے　　جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے
حرص و ہوس بد سے دل تو بھی ستم کرلے　　تو ہی نہیں بیگانہ دنیا ہی پرائی ہے
ہم دل جلے ہیں کس کے ہٹ فتنوں کے پرکالے　　کیوں پھونک دوں اک اف سے کیا آگ لگائی ہے
طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد　　ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

مطلع میں یہ شک کیا تھا واللہ رضا واللہ
صرف ان کی رسائی ہے صرف انکی رسائی ہے

(امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ)

قسط اول

شفاعت نبوی ﷺ

از: تفسیر کبیر، امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالی　ترجمہ: محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری مدظلہ العالی

واتقوا یوما لا تجزی نفس من نفس شیأ ولا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون. (البقرہ۔۴۸)

"اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ کوئی سفارش مانی جائے اور نہ کچھ لیکر جان چھوڑی جائے اور نہ انکی مدد ہو۔"

دن سے بچنے سے مراد اس دن کے اندر عذاب وشدائد سے بچنا ہے کیونکہ نفس یوم سے نہیں بچا جا سکتا۔ اس دن تو تمام اہل جنت و نار وہاں جمع ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی شدت اور اس کی ہولناکی بھی واضح فرما دی ہے۔ اس لیے کہ عرب میں سے کوئی جب کسی مشکل میں پھنس جاتا تو اسکے معاونین اس کی مدد کرتے ہوئے غایت قوت سے اس کا اس طرح دفاع کرتے جیسے والد اپنی اولاد کا کرتا ہے۔ اور اگر اس کے معاونین نہ ہوتے تو وہ عاجزی اور شفاعت کا سہارا لیتا تو وہ سختی کے بجائے نرمی پر اتر آتا اور دونوں حالتیں سختی اور نرمی کام نہ آتیں تو وہ فدایہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا جو بصورت مال یا غیر مال ہوتا۔ اگر یہ تینوں صورتیں اسے نہ بچا سکتیں تو وہ تمام سہاروں اور دوستوں سے مایوس و نا امید ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہی بتایا کہ آخرت میں مجرموں کو یہ تینوں چیزیں نہیں بچا سکتیں۔ ہاں اس ترتیب پر دو سوالات ہیں۔

سوال اول:

"لا تجزی نفس عن نفس شیأ" سے جو فائدہ حاصل ہو رہا ہے وہی "ولا هم ینصرون" سے حاصل ہو رہا ہے۔ تو تکرار کا مقصد کیا؟

جواب:

پہلے جملہ مبارک سے مراد یہ ہے کہ مجرم پر نافذ جزا کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا اور نصرت یہ ہے کہ حکم معاقب سے اسے بچانے کا ارادہ کیا جائے انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور فرق بھی آ رہا ہے۔

سوال ثانی:

یہاں اللہ تعالیٰ نے قبول شفاعت کو فدیہ سے ذکر کیا اور آگے اس سورۃ مبارکہ کی ایک سو بیس آیات کے بعد قبول فدیہ کو ذکر شفاعت سے پہلے ذکر کیا ہے تو اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:

جس کا میلان حب مال کے ساتھ ہے، علو نفس کی طرف میلان سے شدید ہوگا وہ فدیہ دینے کے بجائے شفیع کو مقدم کرے گا اور جس کا میلان اس کے برعکس ہوگا وہ فدیہ کو شفاعت سے پہلے لائے گا تو ترتیب بدلنے میں فائدہ یہ ہے کہ اس سے دونوں طرح کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگیا۔

الفاظ مبارکہ کی تفسیر:

ارشاد گرامی "لاتجزی نفس عن نفس شیا" ہے، شیخ قفال کہتے ہیں اہل لغت کے ہاں جزیٰ کا معنی قضی (ادا) کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن سیار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تجزیک ولا تجزی احداً بعدک.　تمہارے لیے کافی ہے، تمہارے بعد کسی کے لیے کافی نہیں۔

اہل عرب سے بھی یہی منقول ہے تجزیک، "تا" پر زبر اور غیر مہموز ہے یعنی تمہارا ذبح کرنا قائم مقام قربانی کے ہوگیا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ روز قیامت کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا کسی شئی میں بھی قائم مقام نہیں بن سکے گا اور نہ ہی اس کی جزاء کو اٹھانے والا

ہوگا۔ بلکہ آدمی وہاں اپنے بھائی' والدہ اور باپ سے بھاگے گا۔ اس نیابت کا معنی یہ ہے کہ کسی مطیع کی اطاعت عاصی کی سزا کے قائم مقام نہ ہوگی۔ اس دنیا میں یہ نیابت ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی اپنے رشتہ دار اور دوست کا قرض ادا کردے مگر آخرت میں ایسا نہیں ہوسکتا' وہاں تو حسنات کے ذریعے ہی حقوق کی ادائیگی ہوسکے گی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شخص پر جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا عزت مال یا مرتبہ میں اور بدلہ سے پہلے اسے موت آگئی تو وہاں نہ دینار ہونگے اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوئیں تو اس سے لے لی جائیں گی۔ اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو اس پر مظلوم کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں "شیا" مفعول ہے۔ البتہ مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے یعنی قلیلا من الجزا جیسے کہ ارشاد گرامی ہے لا یظلمون شیا (مریم:٦٠)' بعض نے لا یجزی پڑھا اس وقت اجزا عنہ سے ہوگا۔ تو اب شیا من الاجزا کا مفہوم یہی ہوگا اور یہ جملہ محلاً منصوب یوماً کی صفت ہے' اگر یہ سوال ہو کہ موصوف کی طرف ضمیر کہاں ہے؟ تو ہم کہیں گے وہ مقدر ہے' عبارت یوں ہے "لا تجزی فیه" نکرہ لانے کا مفہوم یہ ہوا کہ کوئی بھی نفس کسی دوسرے کی طرف کسی بھی شئی میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا' اس میں کلی طور پر ایسی ناامیدی اور مایوسی ہے جو ہر قسم کی امید کو جڑ سے کاٹ دینے والی ہے۔

ارشاد ربانی ولا یقبل منها شفاعة:

شفاعت' ایک آدمی کا دوسرے کے لیے شئی مانگنا اور اس سے اس کی حاجت پوری کروانے کی کوشش کرنا۔ یہ شفع (جفت) سے ہے جو وتر (طاق) کی ضد ہے' صاحب حاجت تنہا تھا۔ شفیع کی وجہ سے جوڑا بن گیا' منها کی ضمیر دوسرے نفس عاصی کی طرف راجع ہے اور یہ وہی ہے جس سے فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور اگر وہ کسی شفیع کو لائے گا تو وہ شفاعت قبول نہ ہوگی۔ یہ ضمیر نفس کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ کہ اگر اس کی شفاعت کی گئی تو وہ مقبول نہ ہوگی جیسے کہ اس کی طرف سے کوئی جزا نہیں اٹھائے گا۔

ولا یؤخذ منها عدل:

عدل۔ (فدیہ) یہ معادلة الشئی (شئی کی مثل) سے ہے' کہا جاتا ہے ما اعدل بفلان احداً (میں نے اس کی نظیر نہیں دیکھی) ارشاد باری ہے!

ثم الذین کفروا بربهم یعدلون (الانعام : ١)

اس پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ بھی ہے۔

ان الذین کفروا لواَنّ لهم مافی الارض جمیعاً ومثله معه لیفتدوا به من عذاب یوم القیمة ما تقبّل منهم ولهم عذاب الیم (المائدہ' ٣٦)

بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس کے برابر اگر ان کی ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائے گا اور ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے۔

دوسرے مقام پر ہے!

ان الذین کفروا وما تواوهم کفار فلن یقبل من احدهم ملء الارض ذهباً ولوافتدی به اولئک لهم عذابُ الیمُ وما لهم من نصرین (ال عمران' ٩١)

اور جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا' اگرچہ اپنی خلاصی کو دے انکے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی یار نہیں۔

تیسرے مقام پر فرمایا!

وان تعدل کل عدل لایوخذ منها. (الانعام' ٧٥)

اور اگر اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لیے جائیں۔

ولاهم ینصرون:

دنیا میں مدد و تعاون دوستی اور قرابت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما

دیا کہ اس دن وہاں نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ شفاعت اور نہ رشتے۔ وہاں آدمی اپنے بھائی' والدہ' والد اور رشتہ داروں سے بھاگے گا۔ شیخ قفال کہتے ہیں نصر سے مراد معونت ہے جیسے کہ فرمان نبوی ہے!

انصر اخاک ظالما او مظلوما۔	اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم۔

اس سے اغاثہ مراد ہے جب بارش زمین کی مدد کرے اور وہاں فصل لہلہائے تو عرب کہتے ہیں ارض منصورۃ گویا بارش نے اس کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے!

من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ھل یذھبنّ کیدۃ مایغیظ (الحج' ۱۵)	جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہ فرمائے گا دنیا اور آخرت میں تو اسے چاہئے کہ اوپر کو ایک رسی تانے پھر اپنے آپ کو پھانسی دے لے پھر دیکھے کہ اس کا یہ داؤں کچھ لے گیا اس بات کو جس کی اسے جلن ہے۔

کا مفہوم یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ اس طرح رزق نہیں دیتا جس طرح بارش علاقوں کو رزق دیتی ہے۔ انتقام کو بھی نصرت اور انتصار کہا جاتا ہے جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

ونصرناہ من القوم الذین کذبوا بایاتنا (الانبیا' ۷۷)	اور ہم نے ان لوگوں پر اس کی مدد کی جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔

یعنی ہم نے ان سے انتقام لیا' ولاھم ینصرون میں یہ تمام مفاہیم ممکن ہیں کیونکہ روز قیامت ان کی فریادرسی نہیں کی جائے گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور کوئی ایسا نہیں جو ان کی طرف سے اللہ سے انتقام لے' الغرض نصر شدائد کا دفعہ کرنا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا وہاں اس کے عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ابھی یہاں دو مسائل باقی ہیں۔

مسئلہ اولیٰ:

اس آیت مبارکہ میں انسان کو معاصی پر سب سے بڑا خوف اور اسے اس بات کا

شوق دلایا جائے کہ توبہ کے ذریعے معصیت پر بخشش کروائی جاسکتی ہے جب انسان کے ذہن میں یہ ہوگا کہ موت کے بعد ازالہ نہیں ہوسکتا نہ وہاں شفاعت ہے نہ مدد اور نہ فدیہ تو اسے یقین ہو جائے گا کہ اطاعت کے بغیر خلاصی نہیں۔ تو جب ہر گھڑی عبادت میں کوتاہی پر بے خوف نہ ہوگا اور توبہ سے بھی' کیونکہ اسے بقا کا کوئی یقین نہیں تو پھر ہر حال میں ڈرنے والا اور برائی سے پرہیز کرنے والا بن جائے گا۔ آیت مبارکہ اگرچہ بنی اسرائیل کے حوالے سے ہے مگر معنا اس کا خطاب تمام انسانوں کے لیے ہے کیونکہ اس میں اس دن کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور اس میں جو بھی وہاں ہوگا اس کے لیے یہ ہونگے۔

مسئلہ ثانیہ:

تمام امت کا اتفاق ہے کہ آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مقام شفاعت ہے۔ ان آیات مبارکہ کو اس مفہوم پر محمول کیا گیا ہے۔

عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ (الاسراء' ۷۹)	قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ (الضحی' ۵)	اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس میں اختلاف ہے کہ شفاعت کس کے لیے ہوگی۔ مستحق ثواب اہل ایمان کے لیے یا مستحق عقاب اہل کبائر کے لیے؟ معتزلہ کہتے ہیں مستحق ثواب کے لیے ہوگی اور شفاعت کی وجہ سے ان کے ان منافع میں اضافہ ہو جائے گا جس کا وہ استحقاق رکھتے تھے۔

اہلسنت کہتے ہیں شفاعت کی وجہ سے مستحقین عقاب کا عذاب ساقط ہوگا یا تو میدان محشر میں شفاعت کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہی نہ ہونگے اور اگر داخل ہونگے تو شفاعت کے ذریعے انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کفار کے لیے شفاعت نہیں۔ معتزلہ نے اہل کبائر کے لیے شفاعت کا انکار ان دلائل کی بنا پر کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایمان افروز اور یادگار تحریر

جو شخص برصغیر پاک و ہند کی ماضی قریب کی تاریخ سے واقفیت رکھتا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ یہ عرصہ کتنا پرآشوب اور ہنگامہ ہائے رستاخیز سے معمور تھا۔ انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل میں اس کے عصری حالات جو فیصلہ کن اثر ڈالتے ہیں وہ اہل علم سے مخفی نہیں یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ اپنے عصر کے تقاضوں سے منفعل اور متاثر ہوتے ہیں اور بعض لوگ خود ان پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لئے کسی کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے زمانہ کے احوال سے صرف نظر قطعاً مستحسن نہیں اس لئے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کو سمجھنے کے لئے آپ کے عہد کے مزاج کو سمجھنا اور ان تاریخی عوامل کا جائزہ لینا از حد اہم ہے جو اس وقت کار فرما تھے۔

ذرا چشم تصور کو وا کیجئے اور دیکھیئے کہ افق ہند پر ایک ہزار سال تک درخشاں رہنے کے بعد اب مسلمانوں کا آفتاب اقبال غروب ہوا چاہتا ہے بابر اور اورنگ زیب کی اولاد اب شمشیر و سناں سے راہ و رسم توڑ چکی ہے اور طاؤس و رباب پر فریفتہ ہونے لگی ہے جہاں جوانوں کا خون گرمانے کے لئے رجز پڑھے جاتے تھے وہاں اب عصمت فروش رقاصائیں اپنی پائیلوں کی جھنکار سے غیرت و حمیت کے جذبات کو لوریاں دے رہی ہیں جہاں مائیں بچوں کو خالد و طارق کے قصے سنا کر پروان چڑھاتی تھیں وہاں اب عشق و حسن کی بدمنیوں کی کہانیاں وجہ تسکین خاطر اور باعث گرمی محفل بن گئی ہیں روحوں کی پاکیزگی حوصلوں کی بلندی اور عزائم کی پختگی کو عیش و عشرت کی دیمک نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے جن کے آباؤ اجداد کے نام سن کر اغیار کے دل لرز لرز جایا کرتے تھے آج لال قلعہ کی مضبوط اور سنگین دیواریں اور گہری خندقیں بھی دشمنوں کی یلغار سے انہیں پناہ نہیں دے سکتیں۔ ملک کے طول و عرض میں ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ ایک مملکت سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی ہے کہیں مرہٹوں کی بربریت نے کہرام مچا رکھا ہے اور کہیں سکھوں کے وحشیانہ

مظالم سے قیامت برپا ہے مغل اقتدار راس کماری اور درہ خیبر سے سمٹ کر قلعہ معلی میں محصور ہو گیا ہے۔

انگریز اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی گرفت دن بدن مضبوط کرتے جا رہے ہیں یکے بعد دیگرے ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ان کے زیر نگیں ہوتی چلی جا رہی ہے ان المناک حالات میں اسلامی حمیت نے پھر جھرجھری لی۔ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کے نعرہ جہاد سے سارا ہندوستان گونج اٹھا۔ فرنگی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء حق کفن بدوش، سربکف میدان عمل میں اتر آئے۔ ہندوستان کا ہر قابل ذکر شہر میدان کارزار بن گیا اور شمع آزادی کو روشن رکھنے کے لئے مسلمانوں نے بے دریغ قربانیاں دیں۔ لیکن جاں طلب اور مصلحت اندیش امراء کی غداری اور صحیح فوجی قیادت کے فقدان کے باعث ملک و ملت کے سرفروش مجاہدین کی یہ کوشش بر آور نہ ہو سکی۔ فاتح انگریز کی آتش انتقام بھڑک اٹھی اور جنگ آزادی کے سپاہیوں کو چن چن کر تہ تیغ کیا جانے لگا۔

چونکہ آزادی کا صور اسرافیل پھونکنے والے، جہاد کے نقارہ پر پہلی چوٹ لگانے والے میدان جنگ میں کفر و باطل کو للکارنے والے اکثر و بیشتر علماء اہل سنت اور ان کے پیروکار تھے اس لئے انتقام کے شعلے انہیں کی طرف لپکے۔ انگریز کی آتش غضب انہی کے خرمن امن و عافیت کو خاکستر بناتی رہی حریت پسند مجاہدین کو سزا دینے کے لئے جگہ جگہ فوجی عدالتیں قائم کی گئیں۔ چند سفاک اور خون آشام لوگوں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ مردان حر کو جنہوں نے خوشی سے غلامی کی بیڑیاں پہننے سے انکار کر دیا تھا جو چاہیں سزا دیں۔ ان کا سفاک قلم عدل و انصاف کے سارے تقاضوں کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ جلیل القدر، فضلاء کو جن کی نظیر مادر گیتی بار بار پیدا نہیں کرتی۔ عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے۔

سینکڑوں کو جلا وطن کر دیا جاتا ہے ہزاروں علماء کو درختوں کے تنوں سے باندھ کر گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ فطرت بڑی کفایت شعار ہے۔ دیدہ بینا اور عقل رسا کی نعمت ارزاں اور عام نہیں ہوتی برسوں کی تگ و دو کے بعد کہیں کوئی مرد حکیم بزم آرا ہوتا ہے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ایک عالم ربانی کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہوتا ہے یہاں تو سینکڑوں نابغہ روزگار ہستیاں بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھیں ان کی شہادت اور جلا وطنی سے ایک ناقابل تلافی اور ہولناک خلا کا پایا جانا ایک قدرتی امر تھا۔ قوم اپنے ذہنی ارتقاء علمی نشوونما، تہذیبی اقدار کی حفاظت اور اپنے عقائد کے تحفظ کے لئے علماء کی محتاج ہوتی ہے جب تک قوم میں ایسے مردان حر موجود ہوتے ہیں جن کی نگاہیں حقیقت شناس اور زبانیں حق گوئی میں بے باک ہوتی ہیں تو کوئی فتنہ قوم کو گزند نہیں پہنچا سکتا ادھر کوئی فتنہ کھڑا ہوا ادھر ان کی تلوار بے نیام ہوئی اور بجلی بن کر گری اور اس فتنہ کو خاک کا ڈھیر بنا دیا لیکن جب ایسے نفوس سے قوم کی بزم خالی ہو جاتی ہے تو ہر بہروپیے کو کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے اور اپنی شاطرانہ چابکدستی سے لوگوں کو اپنے دامن تزویر میں پھنسا لیتا ہے۔ جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ملت اسلامیہ کو اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس طوفان نے ان دیکھتے ہوئے ان گنت چراغوں کو گل کر دیا جن سے رشد و ہدایت کی روشنی پھوٹ رہی تھی ہر طرف مایوسی اور اداسی کے اندھیرے چھا گئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اہل نظر کو ایک بات ذہن نشین کرنا چاہیے کہ انگریز کا ہندوستان پر تسلط فوجی قوت کی بالادستی میں محدود نہ تھا بلکہ ان کے ہمرکاب ان کی مادی ترقی کی مبالغہ آمیز داستانیں بھی تھی ان کے ساتھ سائنس کے جدید اور تعجب خیز انکشافات بھی تھے ان کے پاس صنعتی اور فنی محیر العقول ایجادات بھی تھیں مزید برآں وہ ایک ملحدانہ فلسفہ حیات بھی اپنے ہمراہ لائے تھے ان میں سے ہر ایک چیز مفتوح اور مغلوب قوم کے متاع ہوش و خرد کو لوٹ لینے کے لئے کافی تھی دشمن بڑے مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہاں آیا تھا اور یہاں اس کی دعوت مبارزت کو قبول کرنے والے اور اس کی نخوت و رعونت کو خاک میں ملانے کا دم خم رکھنے والے یا تو اپنی پر انوار مرقدوں میں آرام فرما تھے یا اسیران زنداں جفا میدان خالی تھا انگریز نے اسلامی حکومت کا چراغ گل کرنے کے بعد انہی دولت دین و ایمان سے محروم کرنے کا بھی عزم بالجزم کر لیا کیونکہ ملت صالح اور حکیمانہ قیادت سے محروم ہو چکی تھی اس لئے بعض نوجوانوں کو جن میں حکمت کی متانت کم اور جوش و خروش زیادہ ہوتا ہے انگریز نے اپنے دام فریب میں آسانی سے اسیر کر لیا دیکھتے ہی

دیکھتے یہ ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جن کے قلب و نظر کو اغیار کی عشوہ طرازیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا وہ برملا اسلامی تعلیمات کا استخفاف کرنے لگے دین کے اصول دین کے مسلمات کا انکار ان کے لئے قطعاً کوئی اہم بات نہ رہی انہیں اپنے اسلامی تمدن سے بھی گھن آنے لگی۔ وہ اپنے تاباں ماضی سے بھی نفرت کرنے لگے اور اپنے اسلاف کرام سے قطع تعلق کرنے میں ہی اپنی عزت و توقیر سمجھنے لگے اور خود خوشامد پسند اور کاسہ لیسوں کے سرخیل ہوتے ہوئے ان پیکران استغناء و استقامت پر تعلق پیشگی اور شاہ پرستی کی تہمت لگانے لگے جن کی سیر چشمی اور بے نیازی کی قسم فرشتے بھی کھا سکتے تھے۔

غرضیکہ ہر وہ چیز جو اسلام کے تقدس اور روحانی عظمت کی آئینہ دار تھی اس کے بے توقیر اور بے وقعت کر دینے کی کوشش کو خدمت اسلام کا نام دیا جانے لگا عظمت اسلام کو ہدف طعن بنانے کی خدمت وہ نوجوان انجام دینے لگے جو ملت کی امیدوں کا مرکز اور خوابوں کی تعبیر بننے کی اہلیت رکھتے تھے شجر اسلام کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے وہ لوگ پیش پیش تھے جن کے آباؤ اجداد نے اپنے خون ناب سے اسے سینچا تھا۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

نور دیدۂ پیر کنعاں چشم زلیخا کو کیوں روشن کرنے لگا؟ اپنوں سے کٹ کے بیگانوں سے محبت کی پینگیں کیوں بڑھانی شروع کر دیں؟ ضروریات دین اور مسلمات پر اس کا یقین کیوں متزلزل ہو گیا؟ آیات قرآنی کی بیجا تاویلات بلکہ تحریفات کی جرات اس میں کیوں پیدا ہو گئی؟ یہ سوالات اتنے غیر اہم نہیں ہیں کہ ان سے پہلوتہی کر کے انسان آگے گزر جائے بلکہ یہ ہر مخلص مسلمان کے لئے دعوت فکر ہے جن پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہمارا فرض اولیں ہے میرے نزدیک اس کے کئی اسباب تھے سیاسی ادبار کے بعد احساس کمتری جدید فاتح قوم کی مادری قوت علمی سربلندی اور دل و نظر کو مسحور کر دینے والے افکار و نظریات اور ایسے اعلماء کا فقدان جو ان عوامل و محرکات کی طغیانیوں کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑے ہونے کی ہمت رکھتے ہوں ان کے علاوہ ایک ایسی تحریک جس نے مسلمانوں کے دل سے حضور نبی مکرم و

معظم ﷺ کی عظمت کے نقوش دھندلا دینے کے بعد محبت حبیب کبریا علیہ الطیب التحیۃ والثناء کے چشمہ فیاض کو گدلا کرنے کی مساعی کو دین حق کی صحیح خدمت خیال کرلیا۔ جب آنکھیں خاک مدینہ ونجف سے سرمہ گیں نہ ہوں تو دانش فرنگ کے جلوے اسے با آسانی خیرہ کرلیتے ہیں جب دل محبوب رب العالمین کے صہبائے عشق سے سرشار نہ ہو تو نفس کی ہوس ناکیاں اسے با آسانی بدمست کرسکتی ہیں جب ذہن کی لوح پر عظمت مصطفیٰ کا نقش جلی قلم سے مرقوم نہ ہو تو اس لوح پر آپ کوئی سا نقش بھی کندہ کرسکتے ہیں جب سرور عالم و عالمیاں سے بندہ مومن کا رشتہ عقیدت ٹوٹ جائے تو اس کو ہر صیاد اپنا نخچیر زبوں بنا سکتا ہے۔

سیاسی ادبار کے ساتھ ذہنی اور فکری اتحاد بھی پارہ پارہ ہونے لگا وہ اساس محکم کمزور ہونے لگی جس کے سہارے قصر اسلام حوادثات دہر کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایسی چیزیں بھی ظہور پذیر ہونے لگیں جن کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ان ہی میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کردیا۔

دین کے ایک ایک مقصد سے برملا غداری کی۔ جہاد کو حرام کردیا، اتنی جسارت کے باوجود اسی ملت میں سے اسے اپنے حواری تلاش کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہوئی جو سانحہ اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں رونما نہیں ہوا تھا۔ وہ انگریزی اقتدار کی گرفت مضبوط ہوتے ہی وقوع پذیر ہوگیا۔

ان حالات میں بریلی کے ایک معزز خاندان میں ایک روح ارجمند تشریف فرما ہوئی جس کے مقدر میں ان تمام داخلی اور مذہبی فتنوں سے نبرد ہونا رقم تھا اور پیکر حسن و جمال مصدر جود و نوال، منبع فضل و کمال اور مرکز عشق و محبت ﷺ سے ملت کا رشتہ عقیدت و نیاز مندی استوار کرتا تھا۔ رحمت الٰہی نے بڑی فیاضی سے انہیں بے نظیر صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا بلا کا حافظہ، ذہن، وقار طبع رسا، اقلیم فصاحت و بلاغت کی سروری، قدرت کے یہ وہ عطیے تھے جن میں سبقت تو کجا کوئی ہمسری کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا تھا کوئی متداول اور غیر متداول علم و فن ایسا نہ تھا جس میں آپ کی قابلیت کا لوہا نہ مانا جاتا ہو۔ علم دینیہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں آپ کو جو عدیم النظیر مہارت حاصل تھی اس میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہا علوم جن کے مبادیات سے بھی اکثر فضلاء بے خبر ہوتے ہیں ان علوم میں بھی آپ کے تبحر اور مہارت کا یہ عالم تھا کہ چوٹی کے ریاضی دان مشکل سے مشکل مسائل حل کرنے کے لئے آپ کی بارگاہ

کا رخ کیا کرتے تھے اور جن مسائل کو وہ لا ینحل قرار دے چکے ہوتے آپ اشاروں اشاروں میں حل کرکے انہیں محو حیرت کردیتے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے زمانے میں ریاضی کے مسلم ماہر تھے۔ حضرت مولانا شاہ سید سلیمان اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ریاضی کے چند مسائل میں متفکر ہیں اور وہ حضرت سے مل کر ان کا حل دریافت چاہتے ہیں۔ اجازت ہو تو شرف باریابی حاصل کریں۔ اعلیٰ حضرت نے بصد مسرت اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ ڈاکٹر صاحب چند روز بعد بریلی تشریف لے گئے نماز عصر کا وقت تھا نماز ادا ہوئی اس کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی مسند پر تشریف فرما ہوئے اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا دوران گفتگو اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کے اشکال بنے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش کیا۔ جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے اور بولے کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لئے بارہا غیر ممالک کے سفر کئے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں میں تو اپنے آپ کو اس وقت طفل مکتب سمجھ رہا ہوں مہربانی فرما کر یہ فرمائیں کہ اس فن میں آپ کا استاد کون ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی استاد نہیں ہے میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے صرف اس لئے سیکھ لئے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ اس میں اپنا وقت کیوں صرف کرتے ہو مصطفیٰ ﷺ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود سکھا دیئے جائیں گے۔

چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار دو عالم ﷺ کا کرم ہے۔ اس کے بعد کسور اعشاریہ سوالیہ کا ذکر چل پڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا بس صرف تیسری قوت تک کا سوال حل کیا جاسکتا ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے سید قناعت علی اور سید ایوب علی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں نے ان دونوں بچوں کو کچھ قاعدے سکھا دیئے ہیں آپ انہیں جس قوت کا سوال دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بچے حل کردیں گے ڈاکٹر صاحب محو حیرت ہو کر دونوں بچوں کا منہ

تکنے لگے۔

یہ بے مثل فہم و ذکاء، یہ بے نظیر علم و فضل اور یہ گوناگوں صلاحتیں قدرت نے کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لئے ارزاں فرمائی تھیں چنانچہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل فرمائی اور اس کے بعد تدریس و تالیف و تصنیف، وعظ و ارشاد، ریاضت و مجاہدات، ان فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہوئے اور آخری دم تک بڑی جرات ہمت اور بے باکی کے ساتھ اسلام کے دفاع میں مصروف رہے کوئی فتنہ ہو اس نے کہیں سر اٹھایا ہو۔ احمد رضا کا قلم اس پر صاعقہ بن کر گرتا اور اسے خاک سیاہ بنا کر رکھ دیتا مخالفت کی آندھیاں اٹھیں بہتان تراشیوں کے طوفان امڈے لیکن اسلام کا یہ نڈر اور بے باک سپاہی حضور رحمت عالم ﷺ کا عاشق صادق بلا خوف لومۃ لائم سینہ سپر رہا۔ کسی موقع پر نہ اس میں لچک پیدا ہوئی۔ اور نہ پائے استقامت ڈگمگایا آپ کی ساری زندگی حضرت حسان کے اس شعر کی آئینہ دار رہی۔

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

یہ درست ہے کہ آپ کا اصل میدان عمل دین اور علوم دین کی خدمت کرنا تھا اور آپ کا طبعی رجحان سیاست کی طرف نہ تھا لیکن آپ کی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست نے نہ آپ کو بعض لوگوں کی طرح انگریز کا حلقہ بگوش بننے دیا اور نہ کبھی ہندو کا دام زر دار انہیں اپنی گرفت میں لے سکا۔ آپ کے قلب مومن نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اسلامی غیرت اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی کہ مومن گداگروں کی طرح غیر مسلم حکومت سے مراعات اور عطیات کی دریوزہ گری کرے اور نہ اسے یہ گوارا ہے کہ لالہ جی کے مکر و فریب میں اسیر ہو کر ملت اسلامیہ کا مقدر اس بنیا کے ہاتھ میں دیدیں جو شرف انسانیت سے بالکل بے بہرہ ہے لیکن جب قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی قیادت میں ملت مسلمہ نے پاکستان کو اپنی منزل مقصود قرار دیا تو یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کے مکتب فکر سے وابستہ جتنے علماء و مشائخ، اساتذہ طلباء، مدارس و خانقاہیں تھیں سب نے بلا استثناء، اپنی کوششیں پاکستان کے حصول کے لئے وقف کر دیں اور اس کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا جس وقت پاکستان کا نام لینا ہزاروں مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف تھا جب کہ میدان سیاست کے بڑے بڑے تجربہ کار سپاہی پاکستان کے تصور سے کانپ اٹھتے تھے جب کہ بڑے بڑے روسا اور نواب پاکستان کی حمایت میں ایک لفظ کہنا خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے

جب کہ بڑے بڑے مدارس کے فضلاء قیام پاکستان کو اسلام کے مزاج کے خلاف یقین کرتے تھے۔ اس وقت ایک اعلیٰ حضرت بریلوی کا مکتب فکر تھا جس کے وابستگان نے چٹا گانگ سے پشاور تک اور سلہٹ سے کراچی تک پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ کوئی اس بات کا انکار کر سکتا ہے کہ یہ آپ کی ایمانی بصیرت کا فیضان نہ تھا۔ یقیناً یہ آپ کے فیض نظر کی برکت تھی۔ یقیناً یہ آپ کے نور نظر کا اجالا تھا جس نے شک و شبہ اور تذبذب اور تردد کے سارے پردے چاک کر دیے۔

آپ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم و عمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفیٰ ﷺ سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے جو پند و موعظت اور ذکر و ارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے جو پھیلا تو کائنات کی پنہائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفیٰ ﷺ بن کر رہ گیا یہی آپ کا ایمان تھا کہ حب حبیب کبریا ﷺ جان ایمان اور روح دین ہے اس کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کر دی۔ اس کے لئے اپنی ساری صلاحتیں وقف کر دیں۔

ایک معزز دھوبی

علی گڑھ میں میرے زمانہ طالب علمی کے ایک دھوبی کا حال سنیئے جو اب معمر ہو گیا ہے وہ اپنے گاؤں میں بہت معزز مانا جاتا ہے۔ دو منزلہ وسیع پختہ مکان میں رہتا ہے، کاشتکاری کا کام بھی اچھے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ گاؤں میں علی گڑھ کالج کے قصے اس طور پر بیان کرتا ہے جیسے پرانے زمانے میں سورماؤں کی بہادری، فیاضی اور حسن و عشق کا افسانے بھاٹ سنایا کرتے تھے۔ کہنے لگا: میاں، وہ دن بھی کیا تھے اور کیسے اشراف کالج میں آیا کرتے تھے۔ قیمتی خوبصورت، نرم و نازک کپڑے پہنتے تھے، جلد اتارتے تھے، دیر میں منگاتے تھے، ہر مہینے دو چار کپڑے ادھر ادھر کر دیے، وہاں خبر بھی نہ ہوئی، یہاں مالا مال ہو گئے، ان کے اتارے کپڑوں میں بھی ہمارے بچے اور رشتہ دار ایسے معلوم ہوتے جیسے علی گڑھ کی نمائش، آج کل جیسے کپڑے نہ ہوتے تھے، گویا بوری اور چھولداری لٹکائے پھر رہے ہیں، ایک کپڑا دھونا پچاس ہاتھ مگدر ہلانے کی طاقت لیتا ہے، کیسا ہی دھوؤ بناؤ آب نہیں چڑھتا، اس پر یہ کہ آج لے جاؤ کل دے جاؤ، کوئی کپڑا بھول چوک میں آ جائے تو ساری عمر آبرو خاک میں ملا دیں۔ ....(رشید احمد صدیقی)

امام احمد رضا کی زندہ و جاوید تحریروں میں عشق رسول ﷺ کی خوشبو رچی ہوئی ہے

اگر آج بھی مولانا نورانی کی قیادت میں قوم اکٹھی ہو جائے تو نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ ہو سکتا ہے

جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف ۱۹۱۰ء میں حضرت مولانا یار محمد بندیالوی نے قائم فرمایا اور ۶ اپریل ۲۰۰۲ء کو مولانا نورانی جدید کمپیوٹر سیکشن کا افتتاح کریں گے۔

علامہ بندیالوی نے کہا کہ فقیر اپنا جھونپڑا تو کہیں اور بنا سکتا ہے مسلم لیگ کی حمایت ترک نہیں کر سکتا

جانشین فقیہہ العصر، استاذ العلماء

مولانا مفتی محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ

کی بصیرت افروز گفتگو

ملاقات: ملک محبوب الرسول قادری

جانشین فقیہہ العصر پیر طریقت استاذ العلماء مولانا محمد عبدالحق بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ کا اسم گرامی پاکستان بھر کے اہل علم میں قدر اور احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اس لیے نہیں، کہ وہ تحریک پاکستان کے نامور مجاہد، درویش صوفی بزرگ حجۃ الکاملین حضرت فقیہہ العصر علامہ مفتی یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذہین فطین فرزند اور ان کے سجادہ نشین ہیں اور نہ ہی اس لیے کہ وہ امام المناطقہ شیخ العرب والعجم امام اہلسنت مولانا عطا محمد بندیالوی صاحب قبلہ دامت برکاتہم کے شاگرد رشید ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ علم و حلم عجز و نیاز، تواضع و انکساری، حمیت ملی و غیرت دینی، خلوص و للّٰہیت، تقویٰ طہارت، بصیرت و آگہی، دردمندی و دلسوزی، دانائی و حکمت اور فکر و دانش کی مجسم تصویر ہے۔ وہ بڑوں کا حد درجہ احترام کرتے ہیں اور چھوٹوں پر کمال شفقت، بلکہ انہیں اس "اقبالی تصور" کا سراپا کہا جائے تو بجا ہے کہ۔

فطرت مسلم سراپا شفقت است　　در جہاں دست و زبانش رحمت است

مولانا محمد عبدالحق بندیالوی ایک کامیاب مناظر بھی ہیں اور محبوب مدرس بھی، نامور سماجی

شخصیت بھی ہیں اور ایک نڈر و بے باک راہنما بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ علاقہ بھر میں بڑی جرات و بے باکی کے ساتھ خدمت دین بجالائے۔ جس علاقے میں سچی بات کرنا جرم اور طاقتور مجرم کے خلاف فتویٰ دینا اپنی جان و مال، عزت و آبرو کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہو وہاں حضور ﷺ کی شریعت مطہرہ کا پرچم سربلند رکھنا حضور استاذ العلماء مولانا محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی ہی کے حوصلے اور جرات رندانہ کا اعجاز ہے۔ کبھی تو وہ تحریک پاکستان کے دنوں میں اپنے والد گرامی کے ایماء پر یہ فتویٰ لکھ رہے ہوتے ہیں کہ "مسلم لیگ کو ووٹ دینا مسجد اور یونینسٹ پارٹی کو ووٹ دینا مندر کو ووٹ دینے کے مترادف ہے" بات صرف فتویٰ لکھنے تک نہیں بلکہ اس خطے کے رئیس کی موجودگی میں اس فتویٰ کو، بہ بانگ دہل بیان کر کے "رئیس بندیال" کو لاجواب اور مبہوت کر دینا۔ مولانا عبدالحق بندیالوی کا کمال ہے۔ کبھی "سماع موتیٰ" کے موضوع پر اپنے مخالف فریق کے فاضل مولوی محمد امیر جیسے مناظرین کو خاموشی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ مخالفین کر کے سرخیل مناظرین کے ایک گروہ (مولوی محمد امیر، مولوی عطاء اللہ بندیالوی، مولوی احمد سعید خان، مولوی محمد امین) نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ آپ نے ان کا چیلنج قبول کیا تو پھر وہی چیلنج دینے والے بھاگ جانے پر مجبور ہو گئے۔ مولانا عبدالحق بندیالوی کو کبھی کبھی انہیں اپنے علاقے کے قبائلی سسٹم کی روایتی لڑائیوں میں اس انداز میں بھی جانے کا اتفاق ہوتا ہے کہ دو فریق وقت مقرر کر کے مورچوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور فائرنگ شروع ہو جاتی ہے۔ جاتے ہی آپ جنگ بندی کا اعلان کر دیتے ہیں اور حتمی فیصلہ آپ ہی کا ہوتا ہے۔ قتل و غارت گری کی وارداتوں میں مقتول کی نعش پر جا کر بدلہ لینے کے لیے تیار کھڑے ورثاء کو لڑائی سے باز رکھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ آپ کے زہد و تقویٰ، زبان کی تاثیر اور عوام و خواص کی نگاہ میں آپ کے مرتبہ و مقام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مولانا محمد عبدالحق بندیالوی نے اپنی ساری اولاد کی تربیت اسی انداز میں کی۔ آپ کے جملہ فرزندان مختلف حوالوں سے خدمت دین متین پر مامور ہیں۔ الحمدللہ علیٰ ذالک آپ کے لیے زیادہ نہیں بس اتنا ہی کہتا ہوں کہ۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش، حق نے بخشے ہیں جس کو انداز خسروانہ

کچھ عرصہ قبل چند نشستوں میں حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ سے کی جانے والی گفتگو پیش نظر ہے۔ .... (محبوب قادری)

جواب:۔ میرا نام حضرت والد صاحب فقیہ العصر علامہ یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد عبدالحق رکھا۔ جو خیر آباد سے نسبت وتعلق ظاہر کرتا ہے۔ حضرت رئیس المناطقہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند بھی میرے ہم نام تھے۔ والد گرامی کے دادا میاں شاہنواز رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے کامل بزرگ تھے۔ ہندو بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔ ہم اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو افغانستان سے وندہ شاہ بلاول، پھر میاں دین والا (واں بھچراں) منتقل ہو کر میرے دادا حضرت میاں محمد سلطان رحمہ اللہ تعالیٰ بندیال آگئے۔

سوال:۔ خیر آبادی ہونے کی نسبت کی تفصیل اور فقیہ العصر علامہ یار محمد بندیالوی کا مختصر سوانحی خاکہ بیان فرمائیں گے؟

حضور ﷺ سے عشق کا دعویٰ نہیں، قلبی لگاؤ ضرور ہے۔

جواب:۔ حضرت والد صاحب مرحوم نے اپنے وقت کے جید اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ امام اہل سنت، مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اکتساب علم کا عرض کیا۔ تو آپ نے نقاہت وکمزوری اور علالت کے باعث معذوری ظاہر کرتے ہوئے امام المناطقہ علامہ ہدایت اللہ خان جونپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف حکم نامہ دے کر روانہ کیا۔ جو رئیس المناطقہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید تھے۔ سات سال وہاں پڑھتے رہے پھر استاد صاحب کی وفات حسرت آیات کے بعد اس درسگاہ میں صدر مدرس ومفتی کے طور پر بھی تعینات رہ کر خدمات سرانجام دیں۔ علامہ ہدایت اللہ خان جونپوری رحمۃ اللہ علیہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ارجمند علامہ عبدالحق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھی استاد تھے۔ ایک دفعہ استاذیم علامہ عطا محمد بندیالوی مدظلہ (جو میرے والد گرامی کے شاگرد رشید ہیں) نے حضرت والد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں صرف چار واسطوں سے خیر آبادی بنتا ہوں تو حضرت فقیہ العصر بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسکرا کر فرمایا فقیر صرف ایک واسطے سے خیر آبادی بنتا ہے۔ یعنی علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ ہدایت اللہ خان جونپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ہی تو واسطہ ہے۔

حضرت والد مرحوم نے ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی تشنگی کی خاطر کئی مشائخ سے ملاقات کی آخر حضرت مرشد العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو ہندوستان کے بے شمار علماء

لٹریچر کی دنیا میں صاحبزادہ ڈاکٹر مسعود احمد، مولانا شرف قادری اور مفتی محمد خان قادری سے متاثر ہوں۔

کے پیر ومرشد تھے دیوبندی علماء بھی آپ کے مرید تھے) کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ صوفی محمد حسین الہ آبادی چشتی صابری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری دیان کے ہاں یہ دستور تھا کہ سالک کو تین چار سال اپنے پاس رکھتے اور اکثر کتب تصوف سبقاً پڑھانے کے بعد مجاہدہ وریاضت کرواتے اور پھر بیعت و اجازت سے نوازتے چنانچہ حضرت فقیہ العصر وہاں تین، چار سال رہے اور پھر بیعت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت الہ آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال باکمال خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس کی محفل میں خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی غزل کے اس آخری شعر پر ہوا۔ جو وحدۃ الوجود کے موضوع پر ہے۔

گفت قدوسے فقیرے در فنا ودر بقا

خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

جب وصال ہوا تو سرِ انور حضرت والد صاحب کی گود میں تھا۔

سوال:۔ آپ کے اساتذہ کون کون سی شخصیات ہیں؟

جواب:۔ میں نے ابتدائی کتب اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ ایک مرتبہ والد صاحب نے فرمایا اگر تو نحو میں الفیہ اور عبدالرسول تک کتابیں میرے پاس پڑھ لیتا تو یوں سمجھتا کہ آج پیدا ہوئے ہو۔ چنانچہ اتفاق ایسا ہوا کہ الفیہ ختم ہوا تو آپ ۲۱ محرم، ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت فرما کر دار باقی کی طرف راہی ہو گئے۔

بقیہ کتب مختلف اساتذہ سے پڑھتا رہا۔ حضرت استاذ الکل علامہ عطاء محمد بندیالوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) (جو میرے ولد کے شاگرد خاص ہیں) کے پاس شرح تہذیب سے لے کر معقولات (حمد اللہ، قاضی) تک کتب پڑھیں۔ نحو میں عبدالغفور اور تکملہ، فقہ میں ہدایہ اولین، آخرین اور علم عقائد میں شرح عقائد، جلالی وخیالی، علم ریاضی میں تصریح وشرح چغمینی، علم فلسفہ میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ، ادب

میں حماسہ وغیرہ کتب بھی میں نے حضرت استاذ الکل سے پڑھیں۔

نامور معقولی مدرس مولانا محمد دین صاحب بدھوالے (حمد اللہ پڑھانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے) کچھ عرصہ بندیال بلا کران سے حمد اللہ، میر زاہد، رسالہ قطبیہ، میر زاہد امور عامہ، پڑھا۔ امام معقول مولانا محمد دین بدھوی، سید عبد القادر شاہ گیلانی، پیر محمد کرم شاہ الازہری اور خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے بھی استاد تھے۔ فخر المدرسین مولانا محمد سعید ثمن ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو حضرت والد صاحب کے شاگرد تھے) ان سے بندیال میں ابتدائی کتب، اصول شاشی، کنز اور منطق کے ابتدائی رسائل پڑھے۔

ملھوالی ضلع اٹک سے علامہ نور محمد مرحوم (جو اعزاز علی دیوبندی، مولانا انور شاہ کشمیری اور غلام رسول الٰہی گجرات کے شاگرد تھے) سے میں نے مکھڈ شریف قیام کے دوران مقامات، شرح عقائد

خواجہ محمد حسین الہ آبادیؒ سالک کو کتب تصوف سبقاً پڑھانے بغیر خلافت نہیں دیتے تھے

خیالی کا کچھ حصہ، ہدایہ اولین کا کچھ حصہ پڑھا (بعد میں تکمیل حضرت استاذ الکل مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کی) حضرت علامہ مولانا عبد الغفور صاحب (حفیظ باڈی والے) کے پاس بندیال میں ہی جامی، نور الانوار، وغیرہ کتب پڑھیں (آپ ہری پور ہزارہ کے علاقہ کے مشہور نحوی مدرس تھے) ابو الحقائق شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو حضرت والد کے تلمیذ تھے) کے پاس وزیر آباد رہ کر دورہ تفسیر القرآن پڑھا۔ اس دوران وزیر آباد میں علامہ محب النبی صاحب (بھوئی گاڑ) (جو علامہ عطاء محمد بندیالوی کے استاد تھے) کے پاس بخاری شریف کے کچھ پاروں کے اسباق بھی پڑھتا رہا۔ دورہ حدیث کی تکمیل دو سال میں بندیال حضرت استاذ الکل سے کی۔ بعد ازاں تقریباً ۱۹۶۴ء میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے آخری سال میں ان کے پاس جا کر دستار بندی کرائی۔ مولانا غلام محمد تونسوی (لیہ والے) مولانا محمد حنیف سیالوی اور استاذ الکل مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ دستار بندی کی تقریب میں شرکت کے لیے جامعہ رضویہ لائل پور گئے۔

سوال:۔ تدریسی خدمات، کتنا عرصہ پڑھاتے رہے؟

جواب:۔ دوران تعلیم بھی تدریس کا شغل جاری رہا۔ میں نے کم وبیش ۳۰ سال اپنے دار العلوم میں پڑھایا۔ استاذ الکل مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں بھی تدریسی خدمات سر انجام دیتا رہا۔ بعض اوقات ایک ہی سبق میرے اور استاد صاحب کے ہاں شروع ہوتا تھا۔ محنت اور مطالعہ میرا معمول تھا۔ صرف تدریس کا ہی شوق تھا۔ واضح رہے کہ یہ ساری تدریسی خدمات اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی معاوضے کے بغیر سرانجام دیں۔

سوال: اہم تلامذہ کون کون سے ہیں، شاگردوں کی کل تعداد؟

جواب:۔ میرے خاص شاگردوں میں قاضی، کشمیر علامہ محمد رشید نقشبندی مرحوم جو جامعہ نظامیہ

مجھے حضرت بابوجی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی

رضویہ لاہور میں تدریس فرماتے رہے۔ نہایت قابل، بہت بڑے مجاہد، مستقل مزاج، باوفا اور پر خلوص انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ علامہ علی احمد سندھیلوی، لاہور۔ مولانا محمد اشرف، جامعہ رضویہ گھوڑے شاہ لاہور۔ صاحبزادہ سید جمال الدین کاظمی مرحوم خواجہ آباد شریف۔ میانوالی۔ صاحبزادہ معظم الدین خواجہ آباد صاحبزادہ نصیر الدین خواجہ آباد شریف۔ صاحبزادہ میاں علی اکبر قادری مرحوم بالا شریف۔ پروفیسر معین نظامی (مرولہ شریف) جامعہ پنجاب لاہور۔ پروفیسر عبد الرشید مرحوم گورنمنٹ کالج فیصل آباد۔ علامہ محمد رفیق مرحوم سابق مدرس جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، مفتی محمد طیب ارشد (کھڑیاں والا) مفتی محمد حیات قریشی (منکیرہ) مولانا محمد دین سیالوی بندیال، مولانا سمیع الحق گولڑوی بندیال، مولانا غلام محمد شرقپوری (جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور) مولانا حبیب الرحمٰن جامعہ رضویہ فیصل آباد، مولانا محمد اقبال مصطفوی ڈسٹرکٹ خطیب نور شاہ ولی فیصل آباد، علامہ غلام نبی جماعتی گکھڑ، مفتی محمد رشید پدھراڑوی سرگودھا، قاری عبد الحمید صدیقی راولپنڈی، مولانا رضا المصطفیٰ ناظم جامعہ رضویہ ڈنگہ ضلع گجرات، مولانا محمد فیروز الدین میمن مسجد کراچی، مولانا صالح محمد باروی (جمن شاہ لیہ)، مولانا عطا محمد متین (کوٹلی آزاد کشمیر)، مفتی محمد حسین چشتی ڈیرہ اسماعیل خان، مولانا محمد اصغر علی سیالوی جامعہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف، قاری محمد شفیع ہاشمی چیئرمین عالمی شرعی بورڈ لندن۔ مولانا محمد سعید احمد رضوی بریڈفورڈ برطانیہ۔ مولانا عبد الغفور

پدھراڑوی سانده لاہور۔ مولانا عبد الرشید چشتی گولڑوی جامعہ رضویہ راولپنڈی، مولانا محمد یعقوب ہزاروی، جامعہ رضویہ راولپنڈی، قاری محمد حسین اعوان انگلینڈ، مولانا عبدالکریم (انگلینڈ) مولانا محمد اقبال قادری (کراچی)، مولانا محمد ناظر سیالوی (کراچی) مولانا محمد اکرم سیالوی (پی سی ہوٹل کراچی) کے علاوہ سو سے زائد ایسے شاگرد ہیں جو درس نظامی کی تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔کل تعداد کا اندازہ ممکن نہیں۔

سوال:۔تحریک پاکستان میں آپ نے کس حد تک حصہ لیا؟

کاشغر، سندھ، سوات اور کشمیر تک تشنگان علم نے جامعہ مظہریہ امدادیہ میں علمی پیاس بجھائی

جواب:۔ حضرت والد صاحب کی عمر کے آخری ایام تھے آپ علیل بھی تھے میری جوانی تھی تحریک پاکستان میں دیگر علماء اور مشائخ اہلسنت کے شانہ بشانہ حضرت والد صاحب کے حکم سے میں بھی پیش پیش تھا۔ مقامی دیو بندی علماء مولوی محمد امیر وغیرہ اور جملہ رئیس جاگیر دار تحریک کے زبردست مخالف تھے۔ سرگودھا سے قبلہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے والد صاحب کے حکم سے ایک فتویٰ تیار کر کے پورے علاقہ میں تقسیم کر دیا۔اس کے مندرجات یہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ یا یھا الذین امنو لا تتخذوا عدوی و عدو کم اولیاء (الممتحنۃ:۱) "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

اب خضر حیات ٹوانہ نے انگریزوں کو دوست بنایا ہوا ہے۔ چونکہ نصاریٰ (انگریز) دشمن خدا ہیں لہذا یونینسٹ پارٹی سے اجتناب کر کے مسلم لیگ کی حمایت ضروری ہے۔ اور دوسرے مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

یا یھا الذین امنوا لا تتخذو الیھود و النصری اولیاء (المائدہ. ۵۱)

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ"

ملک خضر حیات ٹوانہ نے نصاریٰ کو دوست بنایا ہوا ہے اس لیے ملک صاحب اور ان کی پارٹی سے اجتناب ضروری ہے اور مسلم لیگ جو مسلمانوں کی واحد جماعت ہے اس میں شمولیت اور اس کی

حمایت مسلمانوں کا اسلامی و دینی فریضہ ہے۔

اس فتویٰ کے میں زبردست نتائج برآمد ہوئے ہزاروں لوگ یونینسٹ کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے علاقہ بھر کے امراء بوکھلا گئے۔ اور وفد کی صورت میں ہمارے پاس آئے اور کہا کہ یہ پگڑیوں کا جھگڑا ہے کفر اسلام کا مسئلہ نہیں آپ مسلم لیگ کی حمایت ترک کر دیں اور دیکھیں کہ دیو بندی علماء ہمارے سٹیجوں پر پاکستان کے خلاف تقریریں کر رہے ہیں جواب میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ

درس نظامی کے ساتھ عصری علوم کو ملانا درست نہیں اس سے صلاحیتیں نہیں نکھرتیں

تعالیٰ نے فرمایا "یہ پگڑیوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دین اسلام کی بات ہے، ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے تو دوسری طرف کفر کا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس سے کٹنا، اسلام سے کٹنا ہے" مزید فرمایا...... کہ ایک طرف مسجد ہے دوسری طرف مندر۔ ایک طرف پوتھی ہے دوسری طرف قرآن......

ان امراء نے پہلے لالچ دینے کی کوشش کی پھر جب دھمکیاں دیں تو حضرت نے واضح اعلان فرمایا کہ "فقیر اپنا جھونپڑا تو کہیں اور بنا سکتا ہے مگر مسلم لیگ کی حمایت ترک نہیں کر سکتا"......وہ امراء اپنا سامنہ لے کر واپس چلے گئے۔

سوال:۔ جامعہ مظہریہ امدادیہ کے اہم فیض یافتگان؟

جواب:۔ جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف کی بنیاد حضرت والد صاحب نے تقریباً ۱۹۱۰ء میں ہندوستان سے واپسی پر رکھی۔ جہاں کاشغر، سوات، کشمیر اور سندھ کے دور دراز علاقوں سے تشنگان علم آکر اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ حضرت والد صاحب کے نامور تلامذہ میں استاذ الکل حضرت علامہ حافظ عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سرفہرست ہیں۔ اپنا بیگانہ جن کی عظمتوں کا معترف ہے۔ فن تدریس میں ید طولیٰ رکھتے۔ اس فقیر کے علاوہ ان سے مولانا عبدالحکیم شرف قادری، علامہ محمد اشرف سیالوی، علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم، حضرت پیر طریقت السید شاہ عبدالحق صاحب (گولڑہ شریف) پیر خواجہ حمید الدین سیالوی، علامہ غلام رسول سعیدی (شارح مسلم) اور علامہ غلام رسول رضوی (شارح بخاری) مرحوم سمیت کئی جید اور مقتدر علماء نے حضرت مولانا عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان کے علاوہ جامعہ کے فضلا

میں شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا فتح محمد گولڑوی (شاہ نصیر صاحب کے استاذ) علامہ پیر سید وارث شاہ بھوروی، مولانا محمد سعید ٹمن (ملتان)، مولانا عبدالحق پیرزئی، حضرت مولانا قادر بخش مرحوم (میرا شریف) مولانا عبدالرزاق گولڑہ شریف، مولانا عبدالخالق (قاضی سوات)، صاحبزادہ ڈاکٹر مفتی ابوالخیر محمد زبیر، مولانا پیر محمد چشتی (پشاور)، مولانا فضل سبحان قادری (مردان) حضرت پیر نور سلطان قادری (بھکر) مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری (سکھر) پروفیسر

میرے والد گرامی کو امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ ہدایت اللہ جونپوری کی خدمت میں بھیجا

محمد نواز حسنی (اسلام آباد) مفتی محمد رفیق حسنی (کراچی) صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری (بصیر پور شریف) صاحبزادہ سلطان معظم علی قادری (دربار سلطان باہو رحمہ اللہ تعالیٰ) صاحبزادہ سردار احمد قادری (کھرپڑ شریف) وغیرہم

سوال:۔ چودہ سوسالہ اسلامی تاریخ میں کس سے متاثر ہیں؟

جواب:۔ مجھے صرف چودہ سوسالہ نہیں بلکہ کائناتی تاریخ میں حضور ختمی مرتبت محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی سے قلبی لگاؤ ہے، عشق کا دعویٰ نہیں۔ غلاموں میں نام لکھوانے والی بات ضرور ہے۔ بقول سعدی۔

نمی گویم کہ پیش تو عزیزم
کنیزان ترا کم تر کنیزم

باقی اللہ کے تمام نیک بندوں کو دوست رکھتا ہوں اس لیے کہ۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

سوال:۔ موجودہ دور کی کس شخصیت سے متاثر ہیں؟

جواب:۔ مشائخ میں سے اپنے پیر کامل حضرت غلام محی الدین گیلانی المعروف حضرت بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ (گولڑہ شریف) سے بے حد متاثر ہوا۔ اساتذہ میں سے اپنے والد گرامی کے بعد استاذ الکل

حضرت علامہ مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بے حد متاثر ہوں۔ اس عہد کے سکالر علماء میں سے، علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور علامہ مفتی محمد خان قادری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سے متاثر ہوں۔ مفتی محمد خان قادری صاحب نے تحریر کے میدان میں تھوڑے وقت میں زیادہ کام کیا ہے۔ اور جدید موضوعات پر اعلیٰ لٹریچر فراہم کیا ہے جو ملک و قوم اور مسلک و مذہب کے لیے گراں قدر خدمت ہے خدا انہیں برکت دے۔ انھوں نے اکابرین کی یاد تازہ کردی ہے۔

سوال:۔ آپ کے استاذ محترم مولانا عطا محمد بندیالوی کی کمال شہرت کا اصل سبب آپ کے نزدیک کیا ہے؟

جواب:۔ اس کی وجہ جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے اور استاذ محترم علامہ عطا محمد بندیالوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی محفلوں میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے تمام اساتذہ میں سے حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی سے زیادہ متاثر ہوں، کیونکہ جب آپ میری تعلیم کے دوران بیمار ہو گئے تو میرے تمام ساتھی جو مجھ سے زیادہ قابل بھی تھے۔ بندیال چھوڑ کر مختلف درسگاہوں میں چلے گئے لیکن میں بغیر

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف کو عام کرنا عصر حاضر کی بڑی ضرورت ہے۔

تعلیم کے صرف استاد صاحب کی خدمت کی خاطر بندیال ہی ٹھہرا رہا۔ حضرت نے مجھے خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ تو میرا خواندہ، ناخواندہ برابر ہو گیا۔ یعنی جو میں نے نہیں پڑھا تھا وہ بھی پڑھ لیا۔ میرے ان قابل ترین ساتھیوں کا آج کہیں نام ونشان نہیں ملتا اور دنیائے تدریس میں ہر شخص اس فقیر کو جانتا ہے۔ یہ سب حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامت ہے اور میرے نزدیک حضرت استاذی مکرم کی کمال شہرت کا یہی سبب ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور ان کی انتھک محنت بھی اسباب ہیں۔

سوال:۔ آپ نے نشرو اشاعت اور تبلیغی حوالے سے طویل جدوجہد فرمائی اس کا اجمالی سا تذکرہ؟

جواب:۔ اس سلسلہ میں تین درجن سے زیادہ کتب، رسائل پمفلٹ وغیرہ ہم نے وقت کی ضرورت کے مطابق شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں پورے ملک کے طول وعرض اور خصوصاً اپنے

علاقے میں پھیلائے جن کے خاطر خواہ نتائج مرتب ہوئے اور قوم نے اس بر وقت کوشش سے پورا پورا استفادہ کیا۔ ہماری ان مطبوعات میں جماعت اسلامی سے اختلاف کیوں؟ تبلیغی جماعت سے اختلاف کیوں؟ سپاہ صحابہ سے اختلاف کیوں؟ فاتحہ خوانی کا ثبوت، وسیلہ انبیاء و اولیاء، انگریز کا ایجنٹ کون؟ گیارہویں شریف، حقیقت عرس، روح ایمان، میلاد شریف کا ثبوت وغیرہ بے حد مقبول ہوئے۔ علاوہ ازیں ماہ صیام میں مختلف لوگ بغیر تحقیق کے محض اندازے سے سحر و افطار کے نظام الاوقات شائع کر دیتے ہیں جس سے عام مسلمانوں کے روزے بلا وجہ ضائع ہو جاتے تھے میں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے اپنے فرزند محمد ظفر الحق کو جدید و قدیم علم توقیت کی تربیت دلوائی اور اب پوری تحقیق سے شرعی نقطۂ نظر سے صحیح نظام الاوقات ہزاروں کی تعداد میں ہر سال باقاعدگی سے شائع کراتے ہیں۔

تحریک نظام مصطفیٰ نے آمر حکمرانوں سے قوم کو نجات عطا کی

سوال:۔ تحریک ختم نبوت میں آپ نے کس قدر حصہ لیا؟

جواب:۔ جب تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو میں سیال شریف میں حضرت استاذ الکل کے پاس پڑھ رہا تھا۔ وہاں سے گھر آ کر تحریک کی سرگرمیوں میں شمولیت اختیار کی۔ پیر سید غلام حبیب شاہ گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وڑچھ شریف متعدد مقامات پر میرے ہمسفر رہے۔ نور پور تھل، گولے والی، اترا وغیرہ متعدد احتجاجی جلسوں میں عوام پر مرزائی ٹولے کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی اہمیت وضرورت واضح کی گئی۔ بالخصوص تھانہ گنجیال کے سامنے عید گاہ میں بہت بڑی کانفرنس منعقد کر کے حکومت وقت کو وارننگ دی گئی کہ اگر فی الفور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا گیا تو ملکی حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔ چنانچہ کوشش کے باوجود مقامی تھانیدار نے ہمیں گرفتار نہ کیا۔ وہ عقیدت مند تھا اور علاقہ میں ہمارے رسوخ سے واقف تھا۔ قائد آباد کے بے شمار مرزائی تو مسلمان ہو گئے اور باقی ماندہ علاقہ چھوڑ گئے۔ "مرزائی غیر مسلم اقلیت کیوں؟" کے موضوع پر میرا ایک کتابچہ شائع ہوا جو مقبول عام بنا اور کثیر تعداد میں ملک بھر کے اطراف و اکناف تقسیم کیا گیا

سوال:۔ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں آپ نے کیا کردار ادا فرمایا؟

جواب:۔ ۱۹۷۷ء میں ملک کے آمر حکمران ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خلاف ملک بھر میں "قومی اتحاد" کے سٹیج سے علماء کرام اور مشائخ عظام احتجاجی تحریک "تحریک نظام مصطفیٰ" میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ علاقہ بھر کے امراء کی مخالفت کے باوجود ہم نے ساتھیوں سمیت بھرپور شرکت ہی نہیں کی بلکہ اس کی قیادت خود سنبھالی۔ ضلع سرگودھا اور ضلع میانوالی میں قائد اہلسنت مولانا الشاہ احمد نورانی، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور عزیزم ملک محمد اکبر خان ساقی مرحوم کے ہمراہ میں نے اور حضرت استاذ الکل مولانا مولوی عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد جلسے کیے۔ میانوالی چونکہ مولانا نیازی صاحب مرحوم کا حلقہ انتخاب تھا اور قائد آباد ملک محمد اکبر خان ساقی مرحوم کا، اس لیے دونوں حلقوں میں بھرپور انداز میں تحریکی جلسے ہوئے۔ پیپلز پارٹی اور علاقہ کے امراء کے خلاف شادیہ واں بھچراں کے مقام پر میری بڑی سخت الفاظ میں (باطل شکن) تقاریر ہوئیں ایک دو مقامات پر ہنگامہ آرائی کی کوشش بھی کی گئی مگر خدا کے فضل سے جلسے کامیاب رہے آخر انہی کوششوں کی وجہ سے قوم کو اس دور کے آمرانہ حکمرانوں سے نجات مل گئی۔ حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی

مفتی احمد یار خان نعیمی نے فرمایا جسے سرکار ﷺ بلالیں اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے آپ روک دیں اسے کوئی بلا نہیں سکتا

کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ وحدت و اخوت سے کوسوں دور ہیں اگر آج بھی مولانا نورانی کی قیادت میں قوم اکٹھی ہو جائے تو انقلاب نظام مصطفیٰ ﷺ برپا ہو سکتا ہے لہٰذا جو حضرات نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ، مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور محبت مصطفیٰ ﷺ کے فروغ کے لیے مخلص ہیں وہ عالم اسلام کے اس رجل عظیم سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور ان کے دست و بازو بنیں حضرت استاذ العلماء مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی "امام وقت" ہیں پوری قوم کو ان کی قیادت میں اکٹھا ہو جانا چاہیے۔ مولانا نورانی جس انداز میں ٹھوس بنیادوں پر مسلکی کام کر رہے ہیں وہ قابل رشک اور قابل تقلید ہے البتہ تحقیقی اشاعتی ادارے کی ضرورت ہے۔ مولانا نورانی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

سوال:۔ کیا درس نظامی کے نصاب سے آپ مطمئن ہیں؟ یا کوئی تبدیلی ہونی چاہیے؟

جواب:۔ میرا اور حضرت استاذ الکل مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہی خیال ہے

کہ جو نصاب درس نظامی مولانا نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں مرتب کیا تھا وہی مکمل پڑھایا جائے۔ جدید وقدیم کو اکٹھا کرنا مناسب نہیں جدید والے الگ اور قدیم والے الگ مدارس ہوں۔

استاذ صاحب فرماتے کہ اگر درس نظامی کے نصاب میں تبدیلی پیدا کی جائے تو اس کا مطلب ہے معقول میں تخفیف کر کے صرف شرح تہذیب اور قطبی بچ جائے گی تو پھر شرح عقائد خیالی کا حاشیہ کون سمجھے گا؟ اور جن لوگوں نے اہم مسائل پر ادق بحثیں لکھی ہیں۔ (اور عقیدہ میں ان کی جان پہچان نہایت ضروری ہے) وہ صرف قطبی والا کیسے سمجھے گا؟ اور پھر بیضاوی شریف کی مشکل بحثیں کون طے کرے گا۔ لہذا پورے انہماک سے مکمل درس نظامی پڑھے ہوئے۔ علماء کی ہر دور میں اشد ضرورت ہے۔ حضرت استاذیم صاحب قبلہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مثال بھی دیتے تھے کہ دل، دماغ، جگر ہر عضو کا جب سپشلسٹ ڈاکٹر الگ الگ ہوتا ہے تو یہاں آکر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ ایک ہی آدمی صرف، نحو، منطق، فلسفہ، ریاضی، فقہ، حدیث، قرآن کے علاوہ علوم جدیدہ (سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات وغیرہ) کا بھی ماہر ہو تو یہ "تکلیف مالا یطاق" ہوگی اور کوئی خاطر خواہ فائدہ بھی نہیں ہوگا۔

سوال:۔ قوالی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

مفتی محمد خان قادری نے اسلاف کی یاد تازہ کر دی ہے

جواب:۔ قوالی کو مطلقاً حرام کہنا صحیح نہیں کیونکہ وہ عرفاء جو ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم کے بھی شہسوار تھے وہ قوالی تواتر کے ساتھ مزامیر کے ہمراہ سنتے تھے تو ہم ناقص علم والے ان کے متعلق کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ فعل حرام کے مرتکب ہوتے تھے؟ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی شخصیات تک نے قوالی کو سنا اور ذریعہ قرب الٰہی سمجھ کر سنا۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ قوالی شرائط کے ساتھ سنی جائز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ عورتوں مردوں کا اختلاط نہ ہو۔ قوال امرد نہ ہو۔ قوال نشہ باز، بے نماز نہ ہو اور ایسا بھی نہ ہو کہ قوالی سنتے سنتے فرض نماز باجماعت قضا ہو جائے۔ ان لوگوں کے لیے بھی قوالی سننا، ناجائز ہے جن کے شہوانی جذبات قوالی سن کر ابھریں اور وہ کسی مجازی محبوب کا تصور کر بیٹھیں۔ اس کے ماسوا بھی جواز قوالی کی چند شرائط ہیں جو علماء نے بیان کی ہیں۔ استاذی مکرم حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز قوالی پر

ایک رسالہ "قوالی کی شرعی حیثیت" تحریر کیا ہے؟ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے مجھے اس کے ساتھ پورا پورا اتفاق ہے۔

سوال:۔ پیر کامل کی پہچان کیا ہے؟

جواب:۔ پیر عالم باعمل ہو۔ متشرح ہو۔ منقطع السلسلہ نہ ہو یعنی اس کو کسی کامل شخص نے مستحق سمجھتے ہوئے بیعت کی اجازت عطا فرمائی ہو اور جس کا ہر قول وفعل سنت مصطفی ﷺ کے مطابق ہو۔

سوال:۔ آپ کا سلسلہ بیعت کہاں سے ہے اور اس کا سبب کیا ہوا؟

جواب: ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے کہ میں نے حضرت پیر سید غلام محی الدین بابو جی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نسبت بیعت حاصل کی اس دوران میری حضرت خواجہ خان محمد تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکھڈ شریف اور بندیال ملاقاتیں رہیں اسی طرح حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ میں ان حضرات سے متاثر بھی تھا اگر ارادہ کرتا تو ضرور مہربانی فرماتے مگر استاذی مکرم

صاحب اجازت ونسبت باعمل، عالم دین کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیے کیونکہ جاہل کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں۔

مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشورہ سے گولڑہ شریف سے نسبت بیعت حاصل کی کیونکہ آپ (استاذ محترم) سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے نسبت بیعت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی استاذ صاحب نے فرمایا کہ تمھارے والد کے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں ہی تمھیں بیعت واجازت ہونی چاہیے اور وہ سلسلہ حضور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو مرشد العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے مکہ شریف میں درس مثنوی کے دوران نصیب ہوا تھا۔ اس نسبت سے گولڑہ شریف حاضری ہوئی استاذ صاحب میرے ساتھ تھے۔ آپ نے ہی حضرت بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ سے میرا پہلا تعارف کرایا۔

اصل بات یہ ہے کہ میرے والد گرامی حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت کے بعد مجھے آستانہ عالیہ کے وابستگان اور ارادت مندوں کی طرف سے مسلسل اس اصرار کا سامنا تھا کہ میں ان سے بیعت لوں۔ اور درحقیقت مجھے اپنے والد گرامی سے خلافت واجازت نہیں ملی تھی کہ وہ رحلت فرما گئے۔ اس لیے میں لوگوں سے خواہ مخواہ بیعت لینا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ سو مسلسل انکار کرتا رہا۔ جب

یہ وصرت حال حضرت استاذ الکل مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ملاحظہ فرمائی تو انھوں نے مجھے گولڑہ شریف ہمراہ لے جانے کے لیے تیار کیا۔ جب گولڑہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت استاذ الکل نے حاضری کا مدعا بیان کیا۔ حضرت بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ فرمایا کہ آپ عالم ہیں کوئی اور مناسب آدمی تلاش کر لیں۔ استاذ صاحب کے دوبارہ عرض کرنے پر مسکرا کر فرمایا۔ اچھا دو تین دن قیام کریں۔ تیسرے دن عصر کے وقت مجھے اور استاذ صاحب کو بلا بھیجا۔ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی طرف چل پڑے۔ راستے میں فرمانے لگے کہ "حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں ایک دن مجھے بلا کر فرمایا...... بابو جی! تم بیعت کیا کرو۔ تو میں نے صاف انکار کر دیا! ور کہا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ جب دو تین بار میرا انکار حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنا تو فرمایا کہ آخر وجہ کیا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ جناب ایک شرط پر بیعت لوں گا کہ تمام مریدین کی ذمہ داری آپ قبول فرمائیں تو جواب میں آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ذمہ داری تو ذمہ داری والوں کی ہے تم بیعت کیا کرو۔ پھر اس کے بعد میں نے بیعت لینا شروع کی۔ پھر مزار شریف کی چادر اٹھا کر نیچے میرا ہاتھ رکھوایا اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور بیعت لینے کے بعد فرمایا میں تمھیں اپنے والد کے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اجازت دیتا ہوں۔ چند اوراد و وظائف بتائے اور دعائے خیر فرمائی۔

حضرت بابو جی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مجاز ہوں۔ الحمد للہ

سوال:۔ اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ ارشاد فرمایئے جسے آپ کبھی نہ بھلا سکے ہوں؟

جواب:۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ۱۹۶۴ء میں میری دستار بندی ہوئی تو میں نے اسی وقت ارادہ حج کیا۔ مجھے ایک خواب آیا جس میں، میں نے حضرت بابو جی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ محفل سجی ہے۔ چائے تقسیم ہو رہی ہے۔ استاذی مکرم علامہ عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو چائے مل گئی میرے متعلق حضرت بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے بھی چائے دو۔ لیکن مجھے چائے نہ ملی۔ خواب سے بیدار ہوا تو چائے نہ ملنے کا قلق اور محرومیت محسوس ہو رہی تھی۔ میں میں ن اس حوالے سے ایک عریضہ گولڑہ شریف ارسال کیا۔ کہ یہ خواب بھی دیکھا ہے اور بندہ نے حج کی درخواست بھی دے رکھی ہے۔ خصوصی نظر کرم فرمائیں۔ جوابی خط میں حضرت گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا...... "خواب میں چائے کے متعلق تشویش کیسی؟ نہ دینے والے نے ممانعت کی نہ پینے والے نے انکا کیا؟ تو پھر پریشانی کیسی؟...... انشاء اللہ حج کے متعلق اللہ تعالیٰ بہتر فرمائے گا"...... تو اسی سال ہماری حج کی درخواست منظور ہو گئی اور حسن اتفاق یہ ہوا کہ بابو جی گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی سال حج

حضرت بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمھارے خط کے جواب میں میں خود آ گیا ہوں

کے لیے تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ اور منا شریف میں اکٹھے رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ صاجزادگان والاشان، حاجی محبوب قوال، ملک تاج محمد چوہان (بندیالوی) بھی ہمراہ تھے۔ حضرت کا معلم احمد شیر پنجابی اور ہمارا معلم احمد حسن پنجابی تھے۔ کیمپ منا شریف میں ساتھ ساتھ تھے کیونکہ حضرت صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نماز با جماعت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے مجھے حکم ملا کہ آپ جماعت کروا دیا کریں۔ چنانچہ میری یہ سعادت رہی کہ حضرت نے میری اقتداء میں چند نمازیں ادا فرمائیں۔ حضرت استاذ الکل (مولانا عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے ایک رشتہ دار ملک عالم شیر اعوان بمبئی سے حجاز مقدس آئے اور استاذ صاحب کے حکم سے مکہ شریف قیام گاہ پر میں نے ان کو حضرت صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرایا۔ اسی وقت ملک تاج محمد چوہان نے کہا کہ تم حضرت بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرو کہ محبوب قوال نے جو الوداعی سلام روضہ نبوی پر پیش کیا تھا آج پھر پیش کرے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا تو حضرت نے محبوب قوال کو حکم دیا۔ اس نے انتہائی وجد آمیز انداز میں الوداعی سلام سنا کر پوری محفل پر رقت طاری کر دی۔ حضرت میاں سلطان اکبر قادری (بالا شریف) نے مجھے حضرت عطاس مدنی صاحب (جو بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قریبی دوست تھے) کے لیے کچھ نذرانہ دیا تھا۔ میں نے وہ نذرانہ پیش کیا۔ مدنی صاحب نے مجھے اپنے گھر محفل میلاد شریف میں شرکت کی دعوت دی۔ ان کا گھر مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا۔ رات کو محفل میلاد میں کئی پاکستانی بھی شریک تھے عربی زبان میں نعت خوانی ہوتی رہی پھر مدنی صاحب نے فرمایا...... فی الھندیہ...... تو بعض احباب نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام محفل میں پیش کیا تو وجد کی عجیب کیفیات دیکھنے میں آئیں۔ غالباً کلام تھا۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مدینہ شریف...... مسجد نبوی کا قرب و جوار...... مدنی صاحب کا گھر...... اور پھر...... محفل میلاد...... کتنی لذتیں جمع ہوگئی تھیں۔

اس سفر کے دوران میرے پاس اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" بھی تھا جو میں ہر روز مواجہ شریف کے سامنے بیٹھ کر مترنم انداز میں نعت پڑھتا تھا

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

ایک دن میں نے بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ مواجہ شریف میں میرے لیے خصوصی دعا فرمائیں تو آپ نے مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہوکر میرے لیے دعائیں۔ ایک روز میں نے آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کیا تو مسکرا کر فرمایا "یہاں بہت ضرورت ہوتی ہے" میں نے عرض کیا آپ کی دعاؤں سے میری ضرورت پوری ہے آپ ضرور قبول فرمائیں...... چنانچہ آپ نے قبول فرمایا...... میں نے عرض کیا کہ میں نے حجاز مقدس سے پاکستان میں آپ کو ایک عریضہ ارسال کیا تھا جس کا جواب نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا کہ "جواب میں، میں خود آگیا ہوں"

اس مبارک سفر میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ بھی آگئے...... انھوں نے جواب میں فرمایا کہ...... جس کو یہ (سرکار دو جہان ﷺ) بلالیں اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے یہ روک دیں اسے کوئی اس جگہ بلا نہیں سکتا...... یہ وہ مبارک سفر ہے جسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اور یہ اسی مبارک سفر کی میرے لیے بہت دلچسپ اور مبارک یادیں ہیں۔

سوال:۔ جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف میں جدید تعلیم کے حوالے سے آپ کیا اقدامات کیے ہیں؟

جواب:۔ حضرت والد گرامی فقیہہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یادگار تاریخی

کتب خانہ اب ہم نے دارالعلوم میں منتقل کریں ہے۔ جس کا افتتاح انشاء اللہ تعالیٰ اس سال سالانہ عرس مبارک پر ۱۶ اپریل ۲۰۰۲ کو حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی اپنے دست مبارک سے فرمائیں گے جبکہ جدید ایجوکیشن کے حوالے سے ہم نے پانچ کمپیوٹر سیٹ منگوالیے ہیں۔ اسی موقع پر کمپیوٹر سیکشن کا افتتاح بھی کر دیا جائے گا۔

سوال:۔ حضرت فقیہ العصر علامہ یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے حوالے سے کوئی ایسی بات جسے آپ فراموش نہ کرسکے ہوں؟

جواب:۔ ایام علالت میں جب میں حضرت والد گرامی کی خدمت میں تھا۔ جب بھی وضو وغیرہ کے لیے چارپائی سے اتارتے یا بٹھاتے تو آپ ہمیشہ فرماتے...... اے! اللہ تعالیٰ تجھے علم نافع عطا کرے...... خدا نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور میں ان کا یہ جملہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ یہی دعا میری دینی محبت اور محنت کا حقیقی سبب بھی ہے۔

سوال:۔ علماء متقدمین میں سے آپ کس بزرگ کی تصانیف کو عصری حوالے سے اہم قرار دیتے ہیں؟

جواب:۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی ۶۵ علوم میں بارہ سو سے زائد کتب موجود ہیں۔ ان کی تحریریں آج بھی زندہ ہیں اور آج ان کی اہمیت وافادیت میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں عشق رسول ﷺ کی خوشبو بسی ہوئی ہے دور حاضر میں ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

نعت و نام محمد ﷺ

گر نبود پردۂ صفات محمد ﷺ
خلق بسوزد ز نورِ محمد ﷺ
حرز جاں چیست؟ نعت و نام محمد ﷺ
صلی علی سید الانامِ محمد ﷺ

حضرت ضیاء الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں گذرے چند مبارک لمحات کی

حسین یادیں

صاحبزادہ حافظ محمد طاہر سلطان قادری

میں ان لمحات زیست کو کیسے بھول سکتا ہوں جو اپنے دامن میں بے پناہ لطافتیں اور نکہتیں سمیٹے ہوئے ہیں؟ میں ان سعید ساعتوں کو کیونکر فراموش کروں جنھوں نے مجھے ابدی اور لازوال مسرتوں سے ہمکنار کیا؟ نہیں، نہیں میں ان گھڑیوں کو طاق نسیاں کی زینت نہیں بنا سکتا جب اس کرم کے بحر بے کراں نے مجھے اپنی آغوش کرم میں لیا، کہنے کو تو یہ ایک مختصر ملاقات تھی لیکن محسوس ایسے ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہے۔ مدت دراز گزر گئی مگر آنکھیں ابتک خیرہ خیرہ ہیں، ان کے نورانی لب ورخسار آنکھوں سے ایک دم اوجھل نہیں ہوتے ان کی زبان فصیح البیان سے نکلے ہوئے نیلم ومروارید جیسے الفاظ اب بھی قلب وذہن میں گونج رہے ہیں۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے غالباً ۱۹۹۳ء کی بات ہے میں اپنے والد محترم مولانا محمد اکبر فاضل بھیرہ کے ہمراہ آستانہ عالیہ سیال شریف میں ان کے خالہ زاد بھائی غازی صلاح الدین کے فرزند ارجمند اور حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی کے پوتے صاحبزادہ علاؤالدین صاحب کی شادی کی تقریب میں آیا تھا۔

جب عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد خانقاہ معلیٰ سیال شریف سے باہر آئے تو میرے ہمراہ محمد عبد اللہ سیالوی صاحب آف ساہیوال تھے انھوں نے مجھے اس طرف متوجہ کیا جہاں اللہ کا ایک بندہ اپنے رب کے سامنے عبودیت کے سجدے نچھاور کر رہا تھا مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازھری ہیں بس پھر کیا تھا، میرے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے جب اس مہر درخشاں پر نظر پڑی تو آنکھ جھپکنا بھول گئی۔ چہرہ انور سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں ایک آفتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا اک مجھے نہیں اور بھی کئی لوگوں کو شوق ملاقات بے تاب کیے ہوئے تھا۔ آپ مصروف نماز تھے اور آپ کے گرد لوگوں کا حلقہ بن چکا تھا اور رفتہ رفتہ یہ جم غفیر کی صورت اختیار کر گیا اس سے بیر

صاحب کا رخِ انور کیا تھا ایک جلوؤں کی بہار تھی جو ہر شخص کو مسحور کئے دیتی تھی ایک طرف میرے والد صاحب سراپا شوق و ادب بنے کھڑے تھے جونہی پیر صاحب نے سلام پھیرا قدم بوسی کے لیے آگے بڑھے۔ پیر صاحب نے ان کو گلے سے لگا لیا اور کافی دیر بغلگیر رہے، اب میری باری تھی میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی پیر صاحب کی زیارت وملاقات کے شوق کی چنگاری پہلے ہی موجود تھی اور اب تو جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا ہو، بے قراری حد سے بڑھ گئی تھی اور خوشی سے میرے جسم پر لرزہ طاری تھا بالآخر وہ ساعت سعید آن پہنچی کہ ناچیز اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوا والد محترم نے پیر صاحب کو بتایا کہ یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ یہ جامعہ محمدیہ غوثیہ میں تعلیم حاصل کرے۔ اور آپ کے قدموں میں جگہ پائے۔

یہ سن کر پیر صاحب از حد خوش ہوئے اور آپ کے لبوں پر ایک دلنواز مسکراہٹ تیر گئی پیر صاحب نے مجھے کچھ دیر صاحب دامان کرم میں لیے رکھا اور ایسی مہربانی اور شفقت فرمائی کہ جس کو میں آج تک برابر محسوس کرتا ہوں پیر صاحب نے جس محبت بھرے انداز میں میری پیشانی کو بوسہ دیا وہ تا دم زیست قلب و ذہن میں نقش رہے گا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے رنگ و بو کی تمام ترلذتیں پیر صاحب کے لبوں میں سمٹ آئی ہوں جن کو پیر صاحب نے ناچیز کے ماتھے کا جھومر بنا دیا کرم اور شفقت کے اس انداز میں بھول جانا میرے بس کی بات ہی نہیں اور میں آج بھی ان سرور آگیں لمحات کی کیف و مستی سے سرشار ہوں

قبلہ والد محترم نے بتایا کہ پیر محمد کرم شاہ کی شفقتیں ہر شخص کے ساتھ اسی طرح ہیں کوئی بھی ملاقاتی ان کے اخلاق کریمانہ کو شدت سے محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو بھی آتا ہے سرشار ہو کر واپس جاتا ہے مگر ہم پر تو آپ اور بھی زیادہ مہربان تھے اسوجہ سے کہ حضرت پیر محمد کرم شاہ کے مرشد کریم شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی دو سال ہمارے جد امجد حضرت سلطان اعظم چھڑوی کے پاس زیر تعلیم رہے اور پھر حضرت خواجہ غلام قمرالدین سیالوی، حضرت خواجہ غلام محمد چھڑوی کے داماد بنے اس طرح خانوادہ شمس العارفین سے خاندانی روابط قائم ہو گئے ان وجوہات کی بناء پر قبلہ پیر صاحب راقم کے والد محترم کو ترجیحی بنیادوں پر اپنے بہت قریب خیال فرماتے تھے۔

علاوہ ازیں کلاس میں لائق ترین طالب علم ہونے اور حق گوئی و بے باکی، کی وجہ سے بھی پیر

صاحب ان کو پسند فرماتے تھے۔ جب بھی طالب علموں سے کوئی غلطی سرزد ہوتی اور پیر صاحب ناراض ہو جاتے پھر کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ پیر صاحب کا سامنا کرے اس وقت میرے والد محترم ہی پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور انتہائی ادب سے معافی طلب کرتے حضرت پیر صاحب کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے درگزر فرماتے۔

پیر صاحب جب علیل تھے اور کمپلیکس ہسپتال میں زیر علاج تھے مرض خطرناک حد تک بڑھ گیا اس وقت ہم ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے وہاں آپ کے صاحبزادے پیر محمد امین الحسنات شاہ کا اور صاحبزادہ حفیظ البرکات شاہ بھی تھے۔ پیر صاحب لیٹے ہوئے تھے آنکھیں کھلی تھیں لیکن بولنا مشکل تھا پیر صاحب کی اس پراسرار خاموشی نے فضا کو اور زیادہ اداس اور گھمبیر بنا دیا تھا وہ چہرہ جس پر ہر وقت تبسم رقصاں ہوتا تھا جو ملکوتی مسکراہٹوں کی آماجگاہ تھا اب کملائے ہوئے گلاب کی طرح نظر آرہا تھا دیر تک ہماری طرف دیکھتے رہے اور آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا اس منظر کی تاب ہمارے اندر بھی نہ تھی میری آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں میں نے والد محترم کی طرف دیکھا ان کا چہرہ بھی آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا بالآخر ہم نے بادل نخواستہ صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب سے اجازت لی اور بہت افسردہ دل اور رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہو کر واپس آئے پھر ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ ریڈیو پاکستان پر یہ جانکسل اور روح فرسا خبر سنی کہ حضرت پیر محمد کرم شاہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے علم و آگہی کا یہ آفتاب عالم تاب مدت تک ضیاء پاشیاں کرتا رہا۔ اپنی نور کی کرنوں سے ذروں کو منور کرتا رہا اور اپنی زندگی کی ۸۰ بہاریں گزارنے کے بعد بالآخر حج اور عید قربانی کی درمیانی شب اپنے خالق حقیقی سے جاملا.................. خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے اور جمیع صفات حسنہ سے متصف تھے آپ زہد، ورع، تقویٰ، خشیت الٰہی، حسن خلق، قناعت، غریب پروری، تواضع اور عجز وانکساری جیسی خصوصیات کے مظہر اتم تھے۔ آپ کی خدمات اور کارناموں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے آپ کے تمام شعبہ ہائے زندگی کے متعلق علماء ومفکرین نے تحریر کیا ہے۔ اب ان کے مشن کو انہی جیسے جذبے محنت، لگن اور شوق سے جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان کو فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائے اور ان کا فیض صبح قیامت تک جاری رکھے۔ آمین۔

آؤ۔ ایک دوسرے پر تیر برسائیں!

بزرگ عالم دین، مصنف، مقرر، ادیب، صحافی، خطیب اور مزاح نگار علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صوبائی دارلحکومت لاہور سے قدرے بے قاعدگی کے ساتھ ماہنامہ "جہان رضا" شائع کرتے ہیں مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ان کا مستقل، مستقر ہے یہی ان کی بیٹھک ہے یہی دفتر ہے، یہی دکان ہے تاہم مستقل سکونت ریواز گارڈن میں ہے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ کر انھوں نے مارچ ۲۰۰۲ء کے جہان رضا کا اداریہ سپرد قلم کیا ہے جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اس حوالے سے بڑے "جراٗت مند" واقع ہوئے ہیں کہ انھوں نے بہت سارے حقائق کا منہ چڑانے والوں کو درس وعظ و نصیحت دینے کی کوشش کی ہے۔ ہماری گروہ بندی اور اندرونی اختلافات کے فروغ میں اہم کرداروں کو پوری جرات کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے بلکہ انہیں للکارا ہے اب جبکہ کوئی کسی کو بزرگ ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ بزرگوں کی بے ادبی اور توہین کو وطیرہ اور فیشن بنا لیا گیا ہے اس کج روی کو اپنا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے اور سمجھانے کی کوشش کرنے والے کا پیٹھ پیچھے مذاق اڑایا جاتا ہے محترمی فاروقی صاحب نے یہ شاندار جاندار، غیر جانبدار، اداریہ لکھ کر فرض کفایہ ادا کیا ہے اللہ کرے، ان کے دل سے نکلی ہوئی یہ آواز "لگانے بجھانے والوں کے کانوں تک پہنچ جائے اور وہ اس کو درد دل سمجھ کر قبول کر لیں ان کا یہ اداریہ ان کے شکریہ کے ساتھ انہیں مبارک باد پیش کرتے ہوئے "انوار رضا" کے قارئین کی خدمت میں انہی جیسے پر خلوص انداز میں پیش کرنے کی سعادت پا رہا ہوں۔......(محبوب قادری)

فارسی ادب کی ایک مشہور کتاب "کلیلہ دمنہ" ہے ساٹھ سال سے زیادہ عمر پانے والے علمائے کرام اپنے طالب علمی کے زمانہ میں اس کتاب کو پڑھا کرتے تھے بڑی عمدہ کتاب ہے فارسی ادب کا شہ پارہ ہے۔ اور فصاحت و بلاغت کا مرقع ہے اس میں ایک بڑی دلچسپ حکایت ہے۔ جسے ہم پڑھ کر خوش ہوتے تھے ایک شخص نے کئی بھینسیں پال رکھی تھیں۔ صبح انہیں چراگاہ میں لے جاتا۔ اور شام گئے واپس لاتا۔ ان بھینسوں کے بچے (کٹے وچھے) دن بھر چوپال میں اکیلے رہتے۔ مگر فارغ بیٹھے بیٹھے اکتا جاتے تو چوپال سے باہر نکل جاتے اور مل کر مشورہ کرتے کہ وقت کس طرح گزاریں! ایک کٹے (بھینس کے بچھڑے) نے کہا آؤ یارو! دوڑ لگائیں دوسرے نے کہا نہیں یار! چھلانگیں لگائیں۔ تیسرے نے کہا آؤ سب مل کر دوڑیں، کودیں اور سبز سبز گھاس پر ادھر ادھر بھاگیں۔ ایک ان میں موٹا

تازہ بچھڑا (کٹا) تھا۔ اس نے کہا۔ دوستو! اور بھائیو! یہ ساری باتیں بیکار ہیں ہمارا کام دوڑنا بھاگنا نہیں آؤ چوراہے میں بیٹھ جائیں۔ اور بیٹھ کر جوگالی کریں یہ بات سب کو پسند آئی سب بیٹھ گئے اور جوگالی کرنے لگے۔ گاؤں کے بچوں نے دیکھا تو کچھ بچے کہنے لگے یہ اچھے کٹے ہیں" کچھ بچوں نے کہا یہ ست کٹے ہیں" بے کار بیٹھے وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یہ حکایت ہمیں اس وقت یاد آئی۔ جب سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے چند مقتدر علمائے کرام اور بلند پایہ راہنمایان اہلسنت ساری دنیا سے منہ موڑ کر ایک دوسرے کے خلاف طعن و تشنیع میں مصروف ہیں ہم نے بے شمار علماء کرام کو سنا ہے وہ اپنی اپنی مجالس میں اپنا زور بیان دکھا رہے ہے اور بعض زور قلم کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو زچ کرنے کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ فصاحت و بالغت کے دریا بہا رہے ہیں۔ دنیا کے مسلمان زمانہ کے کافروں کی توپوں کی زد میں ہیں۔ مگر ہمارے محترم محتشم مکرم علمائے کرام عالم اسلام کے چوراہے میں بیٹھ کر تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں! کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

ہم ان مقتدر علماء کرام کا نام اس لیے نہیں لیتے کہ ان کے جبہ و دستار اتنے باوقار ہیں کہ کہیں ان آبگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے "جہان رضا" (اور اب انوار رضا) کے قارئین ایک ایک حضرت کو جانتے ہیں کہ یہ حضرات کن کن چوراہوں میں بیٹھ کر معرکے سر کر رہے ہیں۔ ان علمائے کرام کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ دنیائے اسلام کن کن مصائب سے گذر رہی ہے۔ افغانستان کے مسلمان کس طرح خاک وخوں میں تڑپ رہے ہیں فلسطین کے نوجوان کس طرح یہودیوں کے ٹینکوں کے تلے کچلے جا رہے ہیں۔ ہندوستان میں صوبہ گجرات کے مسلمان کن کن راہوں میں مارے جا رہے ہیں کشمیر کے لوگ کن کن وادیوں میں دفن ہو رہے ہیں ان کے اردگرد کس کس قسم کے میزائل نصب کیے جا رہے ہیں۔ اور دنیائے کفر پاکستان کو کن کن نظروں سے نواز رہی ہے۔ امریکہ کو خوشنودی کے لیے پاکستان کے اندر علماء کرام کی کیا حالت کی جا رہی ہے۔ ملک کے دینی مدارس اور مسجدوں پر کیا کیا پہرے بٹھائے جا رہے ہیں! ان تمام آفتوں کے باوجود ہمارے محترم علماء کرام بھینسوں کے بیکار بچوں کی طرح چوراہوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے خلاف طبع آزمائی فرما رہے ہیں۔ اور دنیا ان کے قلم و افکار کے "جواہر پاروں" کو پڑھ کر تالیاں بجا رہی ہے۔

تفو بر تو اے کرچرخ گردوں تفو!

دنیائے اسلام جدھر چاہے جائے۔ جنگ کرے یا جہاد کرے مگر آؤ ہم پاکستان کے چوپالوں سے نکل کر چوراہوں میں بیٹھ کر جو گالی کریں لڑیں اور مریں اور ایک دوسرے پر تیر برسائیں! یہ مقدس کام ہمارے سنی خانوادوں کے چند مقدس ارواح کو زیب نہیں دیتا ہے یہ نغمہ حق ہمیں اچھا نہیں لگتا یہ نعرہ حق ہمارے حجروں کے پروردہ علماء کے منہ سے اچھا نہیں لگتا اگرچہ آج کے نوخیز علمائے کرام کی طرف سے یہ قتال و جہاد تیغ وقلم سے برپا ہوسکتا ہے کیا یہ ہمارا میدان ہے یہ ہمارے معرکے ہیں یہ ہمارے کارنامے ہیں یہ ہمارے تیر ہیں۔ یہ ہمارے نشتر ہیں یہ ہماری شمشیریں ہیں یہ ہماری تیغیں ہیں اس محاذ میں شاید ہمارا کوئی ثانی نہیں اس میدان میں غالباً ہمارا کوئی حریف نہیں۔ اس کام میں بلاشبہ ہمارا جواب نہیں! مولانا عبدالعلی آسی رداسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایسے ہی ارباب علم کے لیے کیا خوب کہا تھا۔

گر دعویٰ مناظرہ دارد بما کسے
ناوک ہمیں، نشانہ ہمیں، معرکہ ہمیں
تحریر در دلائل و تفسیر در اصول
عریف در اوائل و عطریف در پشین
علامہ علوم و کتاب و حدیث و فقہ
فہامہ فہوم اصول و فروع دین
نطقش چہ خوش مذاق و خوش الحان خوش بیان
ذہنش چہ بذلہ سنج و سخن فہم نکتہ بیں
بر آسمان حکمت و طب شمس بازغہ
بر اوج علم عقلی و نقلی مہ جبیں

ہم اپنے پڑھے لکھے سنی تیر اندازوں کے نام نہیں لے سکتے۔ ہم اپنے معصوم ناوک اندازوں کو کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ ہمارے یار ہیں۔ یہ ہمارے دوست ہیں یہ ہمارے بھائی ہیں یہ ہمارے علماء ہیں یہ ہمارے حضرت ہیں ہم صبح وشام ان کے جوتوں کی صفوں میں کھڑے رہتے ہیں۔ یہ عالم ہیں۔ یہ فاضل ہیں یہ دینی راہنما ہیں یہ امام ہیں یہ خطیب ہیں اور اپنی تحریروں کی روشنی میں ادیب ہیں۔ (چشم بددور!)

ہم اس موضوع کو "جہان رضا" کے اداریہ کا موضوع بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمارے سامنے بے شمار عالمی موضوعات ہیں جن پر اظہار خیال کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کیا کریں جب گھر کو آگ لگ جائے۔ جب گھر کے افراد ہی اپنا گریبان پھاڑنے لگیں جب اپنے گھر والے ہی گھر کو آگ لگانے لگیں تو واشنگٹن اور نیویارک کے بت کدوں میں لگی ہوئی آگ کو کون دیکھے؟؟؟؟

تحریک پاکستان میں شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کردار

تحریر وتحقیق:۔سید صابر حسین شاہ بخاری

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاک وہند میں مسلم اتحاد کے خلاف سب سے پہلے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے صدائے حق بلند کی۔ ۱۹۲۰ء میں تحریری طور پر "دوقومی نظریہ" قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس سے قبل دوقومی نظریہ کی حفاظت کے لیے "جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی" بھی قائم کردی تھی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ۱۹۲۱ء میں رحلت فرماگئے مگر اپنے پیچھے خلفاء وتلامذہ کی ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کے جلیل القدر خلفاء وتلامذہ اور ان کے ہم مسلک علماء ومشائخ عظام نے سردھڑ کی بازی لگا کر تحریک پاکستان کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے صاحبزدگان، تلامذہ، خلفاء اور دیگر علماء ومشائخ عظام نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں نہایت مثبت کردار ادا کیا ہے۔ ان تمام کی خدمات کو احاطہ تحریر میں لانا ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ البتہ یہاں موضوع کی مناسبت سے محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے نامور خلیفہ مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کا مختصر تعارف اور دوقومی نظریہ وتحریک پاکستان کے سلسلے میں ان کی گراں قدر خدمات کو مختصر طور پر احاطہ تحریر میں لایا جاتا ہے۔

سفیر اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ میرٹھ (یوپی) کے معروف صدیقی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد اردو، فارسی، عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ چودہ سال کی عمر تک والد بزرگوار کا سایہ عاطفت رہا۔ سولہ سال کی عمر میں دینی علوم سے فراغت حاصل کرلی۔ جدید تعلیم کے لیے میرٹھ کالج میں پڑھتے رہے۔ اسی دوران اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے بھی تعلق پیدا کرلیا۔ آپ کو اپنے بھائی مولانا شاہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی آپ کو خلافت و اجازت سے نوازا اور علیم الرضا کے لقب سے مشرف فرمایا نیز ذکر احباب میں فرمایا۔

عبدعلیم کے علم کو سن کر — جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ علمی دنیا میں ایک پر جوش مقرر، خوش بیان واعظ، بلند پایہ ادیب، مبلغ اسلام اور مناظر اسلام کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ نے اردو انگریزی میں قابل فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ اردو میں ذکر حبیب، بہار شباب، کتاب تصوف، اسلام میں عورت کے حقوق، مرزائی حقیقت کا اظہار، اسلامی اصول، انسانی مسائل کا حل، احکام رمضان، اشتراکیت کیا ہے کہ شہرت عام حاصل ہے۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء تک یورپ، افریقہ اور امریکہ کے متعدد ممالک اور ریاستوں میں جا کر اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے۔ جہاں گئے مساجد، مکاتب، کتب خانے، ہسپتال، یتیم خانے اور تبلیغی مراکز قائم کرتے گئے۔ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف ملکوں کے پچالیس ہزار افراد کو مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ آپ کو ۳۵ مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ مدینہ شریف کی حاضری کے بغیر آپ کو چین نہیں آتا تھا ہر سفر میں گھوم پھر کر مدینہ منورہ پہنچ جاتے۔ یہاں تک کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے، بیمار ہوئے۔ فرمایا، میری چارپائی باب الاسلام مسجد نبوی پر لے جائے۔ جب چارپائی باب السلام پر لائی گئی تو آپ نظر اٹھا اٹھا کر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی اثناء میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کی خوش بختی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ ملی۔ پاکستان کے معروف سیاستدان مولانا شاہ احمد نورانی آپ ہی کے فرزند ارجمند ہیں۔

تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

مبلغ اسلام علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے تقریباً دس سال محکوم ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے مطالبہ کی پرزور حمایت کی اور اس ضمن میں آپ نے شب و روز ایک کر دیئے۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد آپ نے قیام پاکستان کی تحریک میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور مختلف بلاد وامصار کے دورے کر کے علمائے اہل سنت، مشائخ عظام اور عوام الناس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں تا کہ ان کے حقوق کی بازیابی کے لیے موثر انداز میں آئینی جنگ لڑی جا سکے۔

۱۹۴۵ء کے اواخر میں انتخابات کے موقع پر جہاں دیگر علمائے اہل سنت، مسلم لیگ کے انتخابات میں کامیابی کے لیے کوشاں تھے، وہاں مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ بھی اس محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بغرض حج عازم حجاز ہوتے ہوئے مسلمانان ہند کے نام ایک موثر پیغام دیا جس کے آخر میں آپ نے کہا کہ تمام برادران ملت کو علی العموم وقت سفر حجاز مقدس میں یہ آخری وصیت دیتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ جس طرح ممکن ہو انتخابات جدید میں تمام اختلافات باہمی کو مٹا کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں ہمہ تن سرگرم ہو جائیں اور آبنائے تزویر میں آ کر اپنے شیرازے کو ہرگز منتشر نہ ہونے دیں اور یہ ثابت کر دکھائیں کہ مسلمان متحد ومتفق ہیں تا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی آزاد حکومت ہو، جس میں نفاذ قوانین واحیائے تہذیب ومعاشرت دین کی پوری قوت ان کو ہی حاصل ہو اس کو خواہ پاکستان کا نام دیا جائے یا حکومت الٰہیہ کے لقب سے ملقب کیا جائے۔

مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وستم کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ بمبئی اور مدراس میں تقریریں کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔

تحریک پاکستان کے خلاف جب کانگریسی لیڈر حشرات الارض کی طرح بیرونی ممالک میں پھیل گئے تو آپ نے انگلینڈ اور مصر میں ان کانگریسی گماشتوں کو اپنی مدلل تقریر سے ناکوں چنے چبوائے۔

۱۹۴۶ء میں معروف آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت فرما کر تحریک پاکستان کی بانگ دہل حمایت فرمائی۔ ملک کے طول وعرض میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا، علاوہ ازیں حج کے موقع پر مسلم لیگ کی طرف سے متعدد عرب ممالک فلسطین، شام، لبنان، اردن اور عراق وغیرہ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ ہندوؤں کے شدید غلط پروپیگنڈے کی بنا پر عالم اسلام کے مسلمان ہندی مسلمانوں کے خلاف تھے، دنیا میں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کو "دیوانے کا خواب" سمجھا جاتا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان ہی میں اتنا کام تھا کہ وہ باہر توجہ ہی نہ دے سکتے تھے، اس لیے آپ مذکورہ حکام سے ملے، دانشوروں اور وکلاء کے سامنے تقریریں کیں اور نظریہ پاکستان کی وضاحت کی جس کے نتیجے

میں عرب علماء وعوام تحریک پاکستان کوصحیح طور پر سمجھنے لگے۔

اس دورہ میں عظیم الشان کامیابی کے بعد آپ جب اکتوبر ۱۹۴۶ء میں وطن واپس پہنچے تو کراچی کی بندرگاہ پر مسلمانوں کے ایک کثیر اجتماع نے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور جمعیت جامعہ قادریہ کراچی نے آپ کے اعزاز میں ایک عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کی۔جس میں صوبہ سندھ کے نامور علماء ومشائخ نے شرکت کی۔اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے تحریک پاکستان کے عظیم راہنما مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

موجودہ کانگریسی حکومت کے نظام عمل اور ہمارے پاکستانی نظام عمل میں ایک ایسا فلک پیما فرق ہے کہ جس کو ہم کسی صورت منظور نہیں کرسکتے۔ہمارا پاکستانی نظام عمل ایک مافوق البشر کالایا ہوا،سمجھایا ہوااور زمانہ ہائے ماضی،حال ومستقبل کے قدرتی قوانین پر مبنی ہے،دنیاوی حکومتوں کے قوانین لمحہ بہ لمحہ روز وشب ترمیم واضافہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں مگر اس مافوق الفطرت نبی (یعنی حضرت سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین) کالایا ہوا قرآن نظام عمل اور قوانین حکومت ترمیم وتنسیخ سے مبرا،زمانہ ہائے ماضی،حال ومستقبل پر حاوی ہے،اسی لیے میں مسلمانوں کے مجوزہ وطن کو" قدرتی پاکستان" کہتا ہوں جس کی بنیادیں احکام قرآنی اور ارشادات مصطفوی پر ہوں گی ہمارے علماء ومشائخ نے اپنی روحانی قوت سے خانقاہوں میں خاموش بیٹھے ہوئے" پاکستان لشکر" کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا ہے اور وہ میدان عمل میں آچکے ہیں اور اب برصغیر کے مسلمانوں کی" قدرتی پاکستان" مقدر بن چکا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم علیہ الرحمہ کی طرف سے علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کو اسلامی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کا فریضہ سونپا گیا۔آپ نے تن تنہا بین الاقوامی سطح پر تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے اغراض ومقاصد پر طویل لیکچر دے کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا،قائداعظم علیہ الرحمہ نے آپ کی انہی اسلامی اور ملی خدمات کے پیش نظر آپ کو "سفیر اسلام" کا خطاب دیا پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان مرحوم کی دعوت پر آپ اپنی تبلیغی مصروفیات مختصر کر کے پاکستان تشریف لائے،قیام پاکستان کے چند دنوں بعد کراچی میں سرکاری سطح پر نماز عید الفطر ادا کی گئی،اس عظیم الشان اجتماع کے موقع پر آپ ہی نے نماز عید کی امامت فرمائی اور خطبہ ارشاد

فرمایا،بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ،خان لیاقت علی مرحوم اور دوسرے اہم سرکاری و غیر سرکاری شخصیات نے علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی اقتداء میں نماز عید پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

پاکستان سے مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کو نہایت والہانہ محبت تھی اس کا اظہار آپ کی اس دعا سے بھی ہوتا ہے۔

اے عظمت والے!اے عزت والے!اے غلاموں کے سر پر تاج عزت رکھنے والے اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے!سن لے!ہم بے کسوں،بے بسوں کی سن لے!ہم سیاہ کاروں کے سبب اپنے دین کو بدنام نہ ہونے دے،دین کی عزت رکھ لے،علم توحید کی سرنگوں نہ ہونے دے ہمیں قوت دے،طاقت دے،عزت دے،حمیت دے،غیرت دے،برصغیر ہند میں جو چھوٹی سی آزاد خودمختار "پاکستانی حکومت" تو نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔اس کی حفاظت فرما،اے قوی سے قوی تر بنا اور صحیح معنی میں اسلامی دولت،اسلامی سلطنت اور الٰہی مملکت بنا،جہاں تیرا قانون،تیرے احکام جاری ہوں تیرے دین کا علم بند ہوا اور تیرے نام کا ابدالآباد تک بول بالا رہے۔

مولی!مولی!اے رحم وکرم والے مولی!ہماری دعائیں قبول کر۔

حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کی نگرانی میں مولانا عبدالحامد بدایوانی علیہ الرحمہ علامہ ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ،حضرت علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی اور شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی کے علاوہ بے شمار علماء ومشائخ نے ایک جامع دستور آئین اسلامی تیار کیا۔اس پر علماء نے تائیدی نوٹ لکھے مبلغ اسلام علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں جید علماء و مشائخ کا وفد حضرت قائداعظم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ مسودہ آئین اسلامی پیش کیا، بانی پاکستان نے تقریباً تین گھنٹے تک مولانا عبدالعلیم صدیقی سے مسودہ آئین اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی۔اور قائداعظم علیہ الرحمہ نے علامہ صدیقی اور آپ کے رفقاء کو یقین دلایا کہ انشاء اللہ قومی اسمبلی کے منظور کرنے کے بعد بہت جلد اس آئین اسلامی کو نافذ کردیا جائے۔مگر چند روز کے بعد بانی پاکستان کا آخری وقت آپہنچا،اس طرح بابائے قوم علماء سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کرسکے۔

مملکت خداداد پاکستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں آپ کا یادگار خطبہ ملاحظہ فرمائیے۔

آج یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ علماء اقتدار کے طلب گار ہیں اور عہدوں کے امیدوار مجھے اجازت دیجئے کہ میں نہ صرف آپ حضرات بلکہ تمام روئے زمین کے علماء عاملین کی طرف سے نیابتہ پوری قوت سے دنیا کو یہ پیغام پہنچادوں کہ طبقہ علماء اپنی ذات کے لیے دنیا میں نہ کسی اقتدار کا متمنی تھا نہ ہے اور نہ خدا کرے کہ ہو۔ وہ صرف دین کے اقتدار کا طلب گار ہے۔ وہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کا خواستگار ہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اگر کفار مکہ کے سامنے ببانگ دہل فرمایا کہ مجھے نہ تمھاری دی ہوئی دولت چاہیے، نہ عورت، نہ امارت چاہیے۔ نہ مملکت میں تو صرف اس کا امیدوار ہوں کہ تم ہدایت پاجاؤ اور جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ مصر، شام، عراق، پاکستان، انڈونیشیا سب جگہ کے مسلمان سن لیں۔ علماء یہ نہیں چاہتے کہ زمام مملکت اپنے ہاتھ میں لیں۔ ہاں یہ چاہتے ہیں کہ آئین حکومت اسلامی ہو۔ نافذین احکام خدا ترس، عالم بالکتاب والسنہ ہوں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے قوانین کی حکومت ہو اور اس کے چلانے والے دین دار، تقویٰ ہوں۔ خواہ وہ مرحوم مسلم یونیورسٹی کے سند یافتہ ہوں یا مرحومہ عثمانیہ یونیورسٹی کی یادگار، وہ کیمبرج کے گریجویٹ ہوں یا آکسفورڈ کے ڈاکٹر شرط یہ ہے کہ وزیر ہوں یا اہل تدبیر، ارکان اسمبلی و کونسل ہوں، افسر ہوں یا چپراسی جو ہوں دین دار ہوں نہ کہ فاسق و فاجر، ظالم و راشی یا عیاش و شرابی۔

ماخذ و مراجع

(۱) سید صابر حسین شاہ بخاری: خلفائے امام احمد رضا اور تحریک پاکستان مطبوعہ لاہور (۲) محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان مطبوعہ لاہور (۳) محمد سلیم مست قادری: مبلغ اعظم اسلام اور روحانی پیشوا مطبوعہ فیصل آباد (۴) مرزا ارشاد احمد علمی: حیات علم رضا مطبوعہ ساہیوال (۵) خلیل احمد رانا: مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی مطبوعہ کراچی (۶) محمد صادق قصوری: خلفائے امام احمد رضا مطبوعہ کراچی (۷) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: خلفائے امام احمد رضا مطبوعہ لاہور (۸) علامہ عبدالحکیم شرف قادری: خلفائے امام احمد رضا مطبوعہ لاہور (۹) علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی: ذکر حبیب مطبوعہ کراچی (۱۰) علامہ محمود احمد قادری: تذکرہ علماء اہل سنت مطبوعہ فیصل آباد (۱۱) مجلہ مینارہ نور کراچی نومبر ۱۹۸۰ء

نوٹ: یہ مختصر مقالہ برادرم ملک محبوب الرسول قادری کی خواہش پر تیار کیا گیا ہے۔ صابر

آزاد کشمیر میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ قادریہ کا عظیم روحانی مرکز

آستانہ عالیہ ڈھانگری شریف

حضرت پیر محمد عتیق الرحمٰن صاحب کی زیر صدارت 107 ویں سالانہ عرس مبارک کی مناسبت سے خصوصی میگزین رپورٹ

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ صوفیائے عظام کا تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ ان پاکان امت و مقبولان بارگاہ الٰہی نے اپنے فیضان نظر، درس و تدریس اور مکتب کی کرامت سے، گم کردہ راہ انسانیت کو کفر، جہالت اور بے راہ روی کے اندھیروں سے نکال کر صراط مستقیم کی روشنی سے ہمکنار کیا۔

اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ باواجی صاحب ڈھنگروٹ شریف حضرت حافظ محمد حیات رحمتہ اللہ علیہ حضرت ثانی قطب عالم حضرت حافظ محمد علی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت ثالث غریب نواز قبلہ عالم حضرت خواجہ پیر حافظ محمد فاضل رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت رابع پیر طریقت حضرت مولانا پیر حافظ محمد عتیق الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ کا شمار ایسے ہی صوفیائے عظام میں ہوتا ہے۔

آستانہ عالیہ ڈھنگروٹ شریف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ وقادریہ کا عظیم روحانی مرکز ہے۔ اعلیٰ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمتہ اللہ علیہ نے آغاز ہی میں دینی تعلیم حاصل کی اور حضرت خواجہ محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ باولی شریف کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت خواجہ محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی خاص باطنی توجہ سے نوازا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ زبیریہ کی خلافت بھی عطا کی۔ اعلیٰ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمتہ اللہ علیہ نے 1850ء میں ڈھنگروٹ شریف میں دینی مدرسے کی بنیاد رکھی اور سارا سارا دن درس پڑھاتے رہتے۔ قرب و جوار اور دور دراز سے دینی طلباء آپ سے علم سیکھنے کے لیے حاضر ہوتے۔ اگر کوئی باطنی توجہ کے لیے عرض کرتا تو اسے بھی سلسلہ شریف میں بیعت فرماتے۔ لیکن ایک طویل عرصہ درس و تدریس پر زیادہ توجہ جاری رکھی۔ ایک مرتبہ سید السادات حضرت پیر سید محمد نیک عالم شاہ رحمتہ اللہ علیہ گوڑھا سیداں شریف میر پور نے آپ کو طلب کیا اور ارشاد فرمایا کہ ان کے پاس حضرت

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک امانت ہے اور وہ امانت عطا فرمانے کے لیے طلب کیا ہے۔ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی کہ ان کی نسبت پہلے سے ہی باولی شریف والوں سے قائم ہے۔ حضرت پیر سید نیک عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب سن کر کمال شفقت سے فرمایا کہ یہ امانت آپ کو ضرور لینی پڑے گی۔ امانت لے کر بے شک بعد میں ہمارے پاس نہ آنا۔ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے پیر سید نیک عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ زبیریہ کے اسباق، مراقبات وتوجہات سبقاً سبقاً حاصل کیں اور تکمیل کے بعد آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ کی خلافت بھی عطا کی گئی۔ حضرت سید محمد نیک عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر حضرت حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جو امانت آپ کو عطا کی گئی ہے۔ اسے مخلوق میں خوب تقسیم کرنا، اگر صحیح تقسیم نہ کیا تو میں قیامت کے روز آپ سے پوچھوں گا۔ حضرت حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد سلسلے کی بہت اشاعت کی۔ آپ نے علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ ایک ساتھ جاری رکھا اور ہزاروں بندگان خدا کو ظاہری وباطنی فیوض و برکات سے مالا مال کر کے دین دار، شب بیدار وتہجد گزار بنایا۔ آپ دینی امور پر بہت سخت تھے اور اگر کسی کو مسلسل غافل پاتے تو اس سے مصافحہ بھی نہ فرماتے اور جب تک وہ تائب نہ ہو جاتا اپنے قریب بھی نہ بیٹھنے دیتے۔ آپ جب دورے پر جاتے متعلقین دعوت کا اہتمام کرتے آٹھ دس آدمیوں کے کھانے کے انتظام میں سو یا پچاس سے زیادہ لوگ جمع ہو جاتے۔ آپ یہ کھانا خود تقسیم فرماتے اور تھوڑا کھانا زیادہ لوگوں میں پورا ہو جاتا اور موجود لوگ کھانے سے سیر ہو جاتے۔ آپ کی پیشانی پر روشنی کی ایک چمک رہتی جسے آپ ٹوپی یا عمامہ سے ڈھانپ کر رکھتے لیکن جب کبھی وضو کے لیے سر سے کپڑا اٹھتا اور وہاں موجود لوگ یہ چمک دیکھ لیتے۔ حضرت قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ آوان شریف، میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کھڑی شریف، سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ علی پور شریف، مجذوب درویش حضرت سائیں نور رحمۃ اللہ علیہ ڈھنگر وٹ شریف اور ایسے ہی دیگر عارفین وکاملین نے آپ کے علم وعمل تقویٰ و طہارت اور باطنی مقام کی تعریف کی ہے؟ آپ کا وصال تین ربیع الاول 1916ء کو ڈھنگروٹ شریف میں ہوا۔ آپ کے لخت جگر قطب عالم حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔

اعلیٰ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ سے منازل سلوک طے کر کے ریاضت ومجاہدات

کے مراحل سے گزر کر تربیت خانقاہی کی بھٹی سے کندن بن کر جن خدام نے اجازت وخلافت حاصل کی ان میں حضرت میاں حسین علی خان رحمۃ اللہ علیہ کس ہاڑاں، حضرت قاضی محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ چچیاں حال مزار کالا دیو جہلم، حضرت میاں ستار محمد رحمۃ اللہ علیہ چھترو، حضرت میاں باغ علی رحمۃ اللہ علیہ ڈومال، حضرت میاں شاہ رحمۃ اللہ علیہ فتح پور، حضرت میاں خوشی محمد رحمۃ اللہ علیہ پرہیڑ، حضرت صوفی حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں باغ علی رحمۃ اللہ علیہ بوعہ اور حضرت میاں بھولا رحمۃ اللہ علیہ تنگدیو شامل ہیں۔

حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کے متذکرہ بالا خلفاء آپ کے مرید بھی تھے اور ان سب نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ بھی طے کیا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر قطب عالم حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بھی علم وعمل اور اتباع شریعت وسنت کا کامل نمونہ ہوئے ہیں۔ ابتداء عمر میں ہی آپ کے والد گرامی نے سید السادات حضرت پیر سید لطف شاہ رحمۃ اللہ علیہ رواتڑہ شریف کے ہاتھ پر آپ کو بیعت کرایا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ زبیریہ وسیفیہ کی خود تکمیل کروائی۔ حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی ومرشد ارشد حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات کا مرکز تھے۔ اگر گھر میں کسی کام کاج کے لیے اٹھتے تو حضرت اعلیٰ انہیں منع فرما دیتے اور فرماتے کہ ذکر فکر اور پڑھنے پڑھانے کا اپنا کام کریں دیگر کام کرنے والے اور بہت ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو باطنی اشارہ ہوا کہ ان کا ایک اور روحانی حصہ ابھی باقی ہے۔ آپ اپنے والد گرامی کی اجازت سے آوان شریف گئے اور غریب نواز حضرت قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے پاس طویل وقت گزارا اور سلسلہ عالیہ قادریہ کی تکمیل وخلافت حاصل کی۔ حضرت حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجذوب درویش حضرت سائیں نور رحمۃ اللہ علیہ سے بھی باطنی فیض حاصل کیا۔ آپ کی ساری زندگی عبادت وریاضت اور شب بیداری پر محیط ہے۔ قدیم میر پور شہر کے قریب ایک مسجد میں مسلسل بیس سال آپ نے قیام کیا اور سنت وشریعت کی تبلیغ واشاعت فرمائی۔ بعد ازاں فیض پور شریف ایک نئی جگہ حاصل کر کے اس میں عظیم الشان مسجد کی تعمیر اور دینی مکتب کی بنیاد رکھی۔ 1964ء کو فریضہ حج ادا کیا اور اس کے دو ماہ بعد 15 اگست 1964ء کو آپ کا وصال پر ملال ہوا اور فیض پور شریف میں مسجد کے متصل آپ کا مزار بنا۔ اس کے ٹھیک تین سال بعد جب منگلا ڈیم کا پانی بڑھنا

شروع ہوا تو آپ کا جسم مبارک قبر شریف سے نکالا گیا جو بالکل صحیح سالم اصل حالت میں تھا۔ زیارت کرنے پر محسوس ہوتا کہ ابھی ابھی آنکھیں بند فرمائی ہیں۔ حضرت ثالث مولانا پیر محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں ہزاروں فرزندان توحید نے آپ کے وصال کے تین سال بعد دوبارہ نماز جنازہ ادا کی اور تدفین تک عوام کا جم غفیر مسلسل آپ کی زیارت کرتا رہا۔

حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حین حیات ظاہرہ ہی میں مسند سجادگی کی زینت اپنے لخت جگر منبع رشد وہدایت مجسمہ علم وعمل حضرت پیر محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کو بنا دیا تھا۔ حضرت پیر محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ جب جامع مظہر الاسلام بریلی شریف سے علوم اسلامیہ کی تکمیل اور دورہ حدیث کر کے 1935ء میں واپس ڈھنگروٹ شریف پہنچے تو والد گرامی نے خلافت بھی عطا فرما دی اور آپ نے اس روز سے لے کر اپنے وصال تک شریعت وطریقت، تبلیغ واشاعت کے وہ دریا بہائے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یادوں کو تازہ کر دیا۔ دنیا کے بڑے سے بڑے امراء سے لے کر ایک عام آدمی تک جو بھی آپ کے حضور حاضر ہوا اسے شریعت اسلامی کی پابندی اور یاد الٰہی کا ایسا درس دیا کہ اس کی دین ودنیا سنور گئی۔ آپ تصنع وبناوٹ کو بہت ناپسند کرتے۔ بے پناہ مصروفیات ہر طرف سے آئے ہوئے متعلقین ومتوسلین سے ملاقات وارشاد کے ساتھ درس وتدریس سے آپ کا زیادہ شغف تھا۔ آستانہ عالیہ کا دار العلوم جو ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ سے درس وتدریس کا مرکز چلا آرہا ہے، میں دیگر اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ خود بھی پڑھاتے۔ 15 مئی 1991ء بروز بدھ وصال سے دس منٹ قبل چودہ طلباء کی ایک کلاس کو درس قرآن ترجمہ وتفسیر سے مشرف فرما کر قبلہ رخ ہو کر بیٹھے اور جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

معروف معالج ڈاکٹر عبد الخالق کا بیان ہے کہ ڈاکٹری لائف میں بے شمار اموات دیکھی ہیں لیکن یہ منظر بہت مختلف تھا۔ نبض بند اور ذکر جاری تھا۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب او

آپ کے وصال کی خبر اندرون وبیرون ملک پھیل گئی۔ 16 مئی 1991ء بروز جمعرات دن سوا ایک بجے ڈھانگری شریف کے وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کے لخت جگر حضرت

مولانا پیر محمد عتیق الرحمٰن مدظلہ العالی نے امامت کرائی اور آپ کو ڈھانگری شریف میں مسجد کے متصل قطب عالم حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کے حامل فیضان قافلہ شریعت وطریقت کے ترجمان حضرت مولانا پیر محمد عتیق الرحمٰن مدظلہ العالی متعلقین ومتوسلین کی باطنی وروحانی پیاس بجھانے میں مصروف ہیں جنہیں آپ نے اپنے وصال سے کچھ سال قبل ہی آستانہ عالیہ کی تمام ذمہ داریاں سونپ دیں تھیں۔

پیر طریقت حضرت مولانا پیر محمد عتیق الرحمٰن مدظلہ العالی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی تمام علمی و روحانی تربیت حضرت خواجہ پیر محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمائی۔ دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ روحانی تربیت میں بھی انتہا کو پہنچایا۔

حضرت پیر محمد عتیق الرحمٰن کی تبلیغ اشاعت وخطابت کا منفرد انداز ہے۔ آپ اس وقت ڈھانگری شریف کے سجادہ نشین ہیں اور جمعیت علماء جموں وکشمیر کے صدر اور آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی میں اپنی جماعت کے پارلیمانی لیڈر بھی ہیں۔ علماء ومشائخ اور عوام کے ہر طبقے کا آپ کے پاس رش رہتا ہے اور آپ انہیں بصیرت افروز وایمان افروز ارشادات سے نوازتے ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں دار العلم و العمل نقشبندیہ مجددیہ قادریہ کا درس بھی چل رہا ہے جہاں ملک کے قابل اساتذہ کرام کی خدمات بھی حاصل ہیں اور ڈھانگری شریف مزار شریف سے متصل 27 صفوں پر مشتمل ایک ہال اور آگے طویل صحن والی ایک بڑی جامع مسجد تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ مسجد، درس وتدریس ایسے امور کے لیے ڈھانگری شریف میں قطعاً کوئی چندہ نہیں لیا جاتا اور رشد وہدایت کے یہ سارے امور آستانہ عالیہ کے اہتمام سے ہی چلتے ہیں۔ سالانہ عرس مبارک جس کا آغاز 1895ء میں ہوا تھا 19 چیت یکم اپریل بروز پیر کو ڈھانگری شریف میں منعقد ہوگا اور یہ ایک سو ساتواں سالانہ عرس مبارک ہوگا۔

ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے فرمایا۔ "ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟" میں نے عرض کیا۔ "جی ہاں حضور۔" (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے)۔ پھر آپ نے فرمایا: "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟" میں نے عرض کیا: "ہاں حضور" (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: "اصلی دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل میں ہوتی ہے۔"...... (طبرانی)

مشائخ کرام خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ قادریہ ڈھانگری شریف آزاد کشمیر

رشحات فکر...... جناب سردار عبدالقیوم خاں طارق سلطانپوری

(۱)

حضرت اعلیٰ خواجہ محمد حیات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سال ولادت ......۱۸۳۷ء ...... بہ الفاظ بحساب ابجد ......"نشان عظمت طیبہ"...... سال وصال...... مذکور نہیں......

(۲)

حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سال ولادت ......۱۸۷۵ء ...... بہ الفاظ بحساب ابجد......"خورشید اوج طریقت طیبہ"......سال وصال......مذکور نہیں

(۳)

حضرت ثالث رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

سال وصال......۱۹۶۴ء...... بہ الفاظ بحساب ابجد ......"نقش یمن حقیقت و معرفت"......

سال ولادت...... مذکور نہیں

نقل مکانی از فیض پور شریف

بمقام......ڈھانگری شریف......و مزار کشائی حضرت ثانی خواجہ محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ......۱۹۶۷ء..........۱۳۸۶ھ......

"نقش جہان عظمت اولیا"......۱۹۶۷ء......"دوام خورشید حق، حق"......۱۳۸۶ھ

ڈھانگری شریف

اعداد بحساب ابجد......۸۸۰

بہ الفاظ دیگر......"باب گلشن جمال عرفان"......۸۸۰......مجلس وحید طریقت......۸۸۰

حضرت خواجہ محمد فاضل نقشبندی مجددی قادری

سال ولادت..........خورشید حقیقت و صفا..........۱۹۱۵ء......

سال وصال......"خورشید مجد، الکامل، الاکمل" (۱۴۱۱ھ)......"جاہ بزم ہدا، الفاضل، المفضل" (۱۹۹۱ء)

قطعات تاریخ (سال وصال) ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء

حضرت خواجہ محمد فاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ڈھانگری شریف آزاد کشمیر

(۱)

جمال چمن زار عرفان و فقر
فروغ بہار گلستان فیض

ارم بن گئے دشت و کوہ و دمن
وہ ابر ہدایت وہ باران فیض

شہ کشور جود و فضل و کرم
جہاندار احسان و سلطان فیض

زہے وہ فراخی ظرف عطا
خوشا وسعت و بسط دامان فیض

سن وصل آں مرد حق از "ادب"
کہا "زیب نور شبستان فیض"

۷ ۱۹۸۴+۷=۱۹۹۱ء

(۲)

مظہر اوج مقام اہل صدق و معرفت
پیکر اجلال فقر و احتشام فیض عشق

ساقی صہبائے بادہ خانۂ عرفان حق
ہے کفیل ہوش و مستی اس کا جام فیض عشق

مجھ سے ہاتف نے یہ فرمایا ز راہ لطف خاص
اس کا سال وصل طارق ہے "دوام فیض عشق"

۱۴۱۱ھ

(۳)

اُجالا ملکِ ولایت میں اس کا آج بھی ہے
وہ ماہ فضل و کرامت وہ آفتاب کمال

خدا کا اور حبیب خدا کا دلدادہ
رہا وہ دین کی خدمت میں عمر بھر فعال

فروغ دین محمد تھا مدعائے حیات
ہوائے حشمت دنیا نہ حب مال و منال

جمال محفل عرفان وہ خجستہ نصیب
نشان طنطنہ فقر وہ بلند اقبال

میں فکر مند تھا ہاتف نے رہنمائی کی
"جمال فیض ولایت" ہے اس کا سال وصال

۱۴۱۱ھ

عمر شریف: ۷۶ سال......بہ الفاظ......"حب اللہ" (۷۶)......"جہد دین" (۷۶)

ہدیہ اخلاص......بخدمت المکرم ملک محبوب الرسول قادری مدفیوضہ۔ جوہر آباد

مع تسلیمات و ادعیہ......ناچیز......احقر الناس

"بغداد کا فقیر"......طارق سلطانپوری حسن ابدال (اٹک)......(۱۰ جنوری ۲۰۰۲ء)

۱۴۲۲ھ

بزم مقصودیہ کا قیام

پاکستان کے نامور صوفی اور صاحب کرامت بزرگ حضرت پیر سید مقصود علی شاہ نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (کوٹ گلہ شریف) کی یاد میں ان کے مشن کو جاری رکھنے کی غرض سے "بزم مقصودیہ" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے مطابق سجادہ نشین آستانہ عالیہ کوٹ گلہ شریف حضرت پیر سید گل باقر شاہ نقشبندی مدظلہٗ کو بزم کا سرپرست اعلیٰ، سید خاور علی شاہ صدر، حافظ ناصر محمود جنرل سیکرٹری، رفیق اعوان نائب صدر، حاجی محمد رفیق جوائنٹ سیکرٹری، قاری ملک محمد اکرم اعوان پریس اینڈ انفارمیشن سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ قاری ملک محمد اکرم نے اپنے پالیسی بیان میں کہا کہ بزم مقصودیہ کے قیام کا مقصد مسلک اولیاء اللہ کی ترویج و اشاعت اور فرقہ وارانہ کشیدگی کا خاتمہ ہے جو حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ کے ذریعے سے ہی ممکن ہے انھوں نے کہا کہ حضرت پیر سید گل باقر شاہ نقشبندی کی زیر نگرانی ہم اپنے عظیم مشن کے لیے تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیں گے اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔

سیدی فقیہہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تحریر: ملک محبوب الرسول قادری

سیدی فقیہہ العصر حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۸۸۷ء۔۱۹۴۷ء) ایک نہایت متقی پرہیزگار، صاحب علم وعرفان، مجتہدانہ بصیرت کے مالک، باعمل عالم دین تھے والد گرامی کا اسم مبارک میاں محمد سلطان تھا اور جد امجد حضرت میاں شاہنواز رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانے کے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ انسانوں کے علاوہ جنات بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے تھے۔ یوں مولانا یار محمد بندیالویؒ نے خالص دینی ماحول میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے قرآن کریم کی تلاوت کا شوق تھا۔ ضلع میانوالی کے ایک چھوٹے سے گاؤں موضع پکہ میں قرآن پاک حفظ کیا یہ گاؤں آپ کے آبائی دیہات بندیال شریف کے نزدیک واقع ہے۔ بعد ازاں مقامی عالم دین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نظم فارسی پڑھی اور پھر مصنف قانونچہ محمد امیری، مولانا محمد امیر اور حضرت مولانا محمد امیر دامانی سے صرف ونحو اور دیگر کتب پڑھیں۔ بعد ازاں ضلع جہلم کے موضع پنجائن میں مولانا ثناء اللہ کے پاس حاضر ہوئے اور شرف تلمذ حاصل کیا۔ یہاں قیام کے زمانے میں قحط سالی تھی اور کھانے پینے کے لیے کوئی شے دستیاب نہ تھی آپ نے فاقے کیے مگر حصول علم کے شوق سے دستبردار نہ ہوئے۔ رات کا بڑا حصہ اسباق تیار کرنے میں صرف کرتے تھے جب آپ کے ہم سبق ساتھی سو جاتے اس وقت بھی آپ باقاعدہ دلجمعی کے ساتھ پڑھتے رہتے تھے۔ استاذ گرامی مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم تھے اور اکثر مریضوں کو دیکھنے کے لیے باہر جانا پڑتا۔ آپ ان کے ساتھ باہر کا سفر بھی کرتے اور استاد گرامی کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل کر اسباق پڑھتے۔ آپ کا حافظہ بھی بلا کا تھا۔ انتھک محنت اور خداداد لیاقت ذہانت کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا خاص فضل واحسان فرمایا اور علم دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔ آپ کو اس قدر دین کا ادراک نصیب ہوا کہ آپ فقیہہ العصر، استاذ العلماء اور قطب الاقطاب کے القابات سے یاد کیے جاتے۔ آپ مزاجاً نہایت سادہ، متین، ذہین، مخلص، محنتی اور نیک سیرت کے حامل انسان تھے

حافظ آباد میں مولانا غلام احمد حافظ آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی درس لیا اور پھر مزید علمی پیاس بجھانے کے لیے ہندوستان عازم سفر ہوئے۔ سب سے پہلے عروس البلاد، دہلی کی جامع مسجد فتح پوری کی درسگاہ میں داخلہ لیا۔ اور اسی ذوق و شوق سے مطالعہ جاری رکھا۔ آپ کو زمانہ طالب علمی میں مطالعہ کا شوق اس قدر تھا کہ آپ اپنے ملنے والے وظیفہ سے بھی کتب ہی خریدا کرتے تھے دیگر طلبہ کھانے پینے کی اشیاء، کپڑے وغیرہ خریدتے مگر آپ کتب خانہ میں اضافہ کرتے رہتے اور اس زمانے میں آپ اپنے مدرسے میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے پوری درسگاہ میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے تھے۔ آپ نے مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت نائب غوث اعظم فی الھند مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ کیونکہ وہاں علم بھی تھا عمل بھی تھا معرفت الٰہی کے خزانے بھی تھے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال بھی تقسیم ہوتی تھی۔ جب آپ نے بریلی شریف حاضری دی اس وقت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیل تھے آپ نے حاضری کا مدعا بیان کیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی زیارت وملاقات کا شرف پایا۔ اعلیٰ حضرت نے نور بصیرت سے آپ کی سعادت مندی کو ملاحظہ فرمالیا اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اعلیٰ حضرت کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں آپ وہاں حاضر ہوئے اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد آٹھ سال تک ان کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کرتے رہے۔ استاذ گرامی کی رحلت کے بعد آپ ان کے جانشین بنے اور کچھ عرصہ تک وہیں تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ حتیٰ کہ آپ کے استاذ کے استاد زادے مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند ارجمند مولانا عبدالحق خیر آبادی نے آپ سے تکمیل کی۔ آپ کا عشق رسول ﷺ اس قدر تھا کہ آپ کو ماہانہ وظیفہ ایک سو روپیہ ملتا تھا۔ اور آپ اس ایک سو روپیہ کو محفل میلاد پر خرچ کر دیتے تھے۔ بعض اوقات مزید ادھار بھی لینا پڑتا تھا۔ حضرت فقیہ العصر، استاذ العلماء قطب الاقطاب مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کے سرخیل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اڑھائی سال کا عرصہ آپ کی خدمت میں رہے اور کتب تصوف سبقاً پڑھیں اور تکمیل پر شیخ کامل نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے مرشد زادے مولانا صاحبزادہ ولایت حسین نے بھی

حضرت فقیہ العصر سے چند نحو کی کتب پڑھیں۔ تحصیل علم اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مجاز ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن بندیال شریف واپس آئے اور یہاں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ مسلک اولیاء اللہ کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کو عام کرنے کے لیے مصروف جہد ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انقلاب آنے لگا۔ علاقہ بھر میں تبدیلی آنے لگی۔ بدعقیدگی اور منافرتوں کو بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں سے مناظروں کی نوبت بھی آئی مگر ہر دفعہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فتح وکامرانی سے سرفراز فرمایا۔ علوم مصطفیٰ، اختیارات مصطفیٰ، محبت مصطفیٰ، اطاعت مصطفیٰ جیسے موضوعات آپ کے پسندیدہ موضوعات ہوا کرتے تھے۔ بڑے بڑے "شیخ القرآن" کہلانے والوں کے پتے پانی ہو جایا کرتے تھے جب انہیں حضرت فقیہ العصر رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرنا پڑ جاتی تھی۔ آپ کا تبحر علمی اپنے بیگانے سبھی تسلیم کیا کرتے تھے۔ آپ طبیب حاذق بھی تھے اور آپ نے ریاضی پڑھنے کے شوق میں طب پڑھی تھی کیونکہ اس زمانے میں حکیم محمد اجمل خان نے یہ شرط عائد کر رکھی تھی کہ جو ریاضی پڑھنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم طب سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال تاثیر کی قوت عطا فرمائی تھی۔ آپ کا درس ہوتا یا وعظ سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر سماعت کرتے ایک مرتبہ آپ وادی سون سکیسر کے سرحدی قصبہ پدھراڑ تشریف لے گئے آپ کے شاگرد رشید اور دنیائے تدریس کے تاجدار حضرت استاذ العلماء مولانا ملک عطا محمد بندیالوی فرماتے ہیں کہ دونوں فریقین چونکہ اعوان خاندان سے تعلق رکھتے تھے اکثر اعوان جذباتی ہوا کرتے ہیں انھوں نے شور وغوغا اس قدر کیا کہ کان پڑتی آواز سمجھائی نہ دیتی تھی لیکن جونہی آپ نے خطبہ شروع کیا ہر سو مکمل سناٹا طاری ہو گیا۔ آپ بڑے سے بڑے مجمع میں جا کر گفتگو کرتے تو کامل یکسوئی سے سنی جاتی آپ کے شاگردوں میں علی گڑھ یونیورسٹی کے سابق پرنسپل پروفیسر سید سلیمان اشرف، پیر ابوالحقائق مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی (شیخ القرآن) امام اہلسنت علامہ عطا محمد بندیالوی، مولانا محمد عبدالحق پیرزئی جیسے عظیم لوگ شامل ہیں۔

تحریک پاکستان کے زمانے میں جب یہ فتوے دیئے جا رہے تھے کہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے والے سب سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں" (چمنستان، مصنفہ ظفر عیسیٰ صفحہ ۱۰۱) اور یہ کہ "دس ہزار جناح اور شوکت، جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جا سکتے ہیں" اس وقت حضرت فقیہہ

العصر مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ ایک طرف مسلم لیگ کا جھنڈا ہے اور دوسری طرف یونینسٹ کا اور مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس سے کٹنا، گویا اسلام سے کٹنا ہے۔ مزید فرمایا مسلم لیگ کو ووٹ دینا مسجد کو ووٹ دینے کے مترادف ہے اور یونیسٹ کو ووٹ دینا مندر کو ووٹ دینے کے مترادف ہے۔ اس فتویٰ کے بعد آپ کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ علاقے کے جاگیرداروں نے جو انگریز کو خوشنودی چاہتے تھے آپ کو پہلے پہل منت سماجت اور بعد ازاں ڈرا دھمکا کر اپنا موقف تبدیل کرنے کہا تو آپ نے فرمایا کہ۔ فقیر اپنا جھونپڑا تو کسی اور جگہ بنا سکتا ہے مگر مسلم لیگ کی حمایت ترک نہیں کر سکتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے مقابلے میں تمھاری کوئی پرواہ نہیں، جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ...... آپ نے مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی اور اللہ تعالیٰ نے سرخرو فرمایا۔ پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ آپ ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ کو ۶۰ سال کی عمر میں وصال فرما گئے آپ نے اپنے دو صاحبزادگان علامہ مفتی محمد عبدالحق بندیالوی اور مولانا فضل حق بندیالوی کے علاوہ سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں عقیدت مند سوگوار چھوڑے۔ آپ کے آبائی گاؤں بندیال شریف کے جنوبی جانب آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ حکیم اجمل خان رضوی نے آپ کو یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

مرحبا صد مرحبا اے سر زمین بندیال
تیری مٹی سے ہوا ہے مرد کامل کا ظہور
جس نے اندھیرے اجالوں میں بدل کر رکھ دیئے
جس کے دم سے ہو گئے تارک گوشے نور و نور
خلا میں شاداں رہے وہ کملی والے کے طفیل
اس کے مرقد پر ہو اجمل رحمت رب غفور

اے میرے پیارے رب

پروا نہیں جو کچھ بھی نہ اس کے سوا ملے
تیری رضا ملے، مجھے تیری رضا ملے

(اثر صہبائی)

خورشید نما

جنیدِ وقت

وادی مہران کے تاجدار، بھرچونڈی شریف کے عظیم بزرگ حضرت حافظ الملت پیر حافظ محمد صدیق رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت و سوانح کے حوالے سے خورشید عصر صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندہ و جاوید تحریر

اقبالؒ نے کہا ہے:

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الہٰی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

واقعہ یہ ہے کہ انہی اہل دل کے دم قدم سے رنگ محفل ابھی تک پھیکا نہیں پڑا' ورنہ ہر دور کے چنگیز اور ہلاکو نے اس بزم رنگ و بو کر درہم برہم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' بڑے بڑے کج کلاہ یہاں کم نگاہ ملے' تاجور غارتگر نکلے' نامور اور معتبر بے ہنر ثابت ہوئے' تاجدار ناہنجار نظر آئے' ارباب تخت و تاج دوسروں کے محتاج دکھائی دیئے' دلدادگان شوکت و جاہ اسیرِ کمند ہوا معلوم ہوئے' صاحبان کروفر بندگان سیم و زر محسوس ہوئے' لیکن یہ اللہ والے ہیں جو گلیوں کی خاک پھانکتے مگر لوگوں میں درد بانٹتے رہے' فرش خاک پر بیٹھ کر عرش پاک کی خبریں دیتے رہے' شان بے نیازی کے ساتھ عہد سازی کرتے رہے' ان کی ادائے قلندری کے سامنے جلال سکندری ماند رہا' ان کی خانقاہوں کے کچے آنگن میں بہار گلشن کا سماں رہا' یہ لوگ بظاہر خاک نشین تھے مگر حقیقت میں ہمسایہ جبریل امین تھے' ان کو دنیا کے کسی دربار میں جگہ نہیں ملی لیکن ان کے ہاتھوں بڑے کردار تخلیق ہوئے' یہ لوگ ہمیشہ آبلہ پا رہے لیکن داستان وفا رقم کرتے رہے۔ اہل دنیا لعل و گہر سمیٹتے رہے' یہ لوگ دیدہ ور پیدا کرتے رہے' بادشاہوں نے تیغ و تبر سے کام لیا' یہ لوگ نگاہ کیمیا اثر سے کام کرتے رہے' جو کام لشکر و سپاہ سے نہ ہو سکا وہ معجزہ ان مردان حق آگاہ نے کر دکھایا' اہل مدرسہ کتابوں میں گم رہے یہ لوگ دلوں میں اتر گئے' دارا و سکندر بالآخر مٹ گئے مگر

یہ لوگ صفحہ ہستی پر ثبت ہو گئے' آندھیاں ان کے چراغوں کو نہ بجھا سکیں' اور دنیا کی کروٹیں ان کا نام نہ مٹا سکیں' گردش ایام کے ہاتھوں کئی تخت گر گئے' کتنے تاج اچھل گئے' بے شمار سلسلے بکھر گئے' لیکن سچی بات یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ مٹنے کے بجائے اور نکھر گئے' جوں جوں گرد حوادث کی تہہ اترتی جائے گی ان لوگوں کی شخصیت ابھرتی آئے گی۔ مقام حیرت ہے کہ شاہی خاندان بے نام و نشان ہو کر رہ گئے ہیں' انہوں نے اپنا سر اونچا رکھنے کے لیے نجانے کتنی گردنوں کو بزور شمشیر جھکایا' اپنا گھر بھرنے کے لیے بے شمار شہر اجاڑے' اپنی راحت کے لیے کتنوں کو مبتلائے اذیت کیا' اپنی عزت کی خاطر دوسروں کی ذلت کا سامان کیا' اپنی بقا کے لیے قبیلے فنا کیے' حصول تاج کے لیے کئی ملک تاراج کیے اپنی خودنمائی کے لیے دوسروں کی رسوائی کا اہتمام کیا' ذاتی آسائش کے لیے ہزاروں کو آزمائش میں ڈالا' ذاتی وقار اور جھوٹے پندار کے لیے مخلوق خدا کو آزار پہنچایا' نام و نمود کے لیے بستیوں کو نیست و نابود کیا' شاہوں کے یہ جتن پھر بھی ان کے کام نہ آئے' البتہ وہ خود تاریخ کے کوڑا دان کے کام آ گئے۔ اور اپنے پیچھے عبرت کی کئی داستانیں چھوڑ گئے' جلے ہوئے کھیت' ٹوٹے ہوئے محل' بکھرے ہوئے تاج' الٹے ہوئے تخت' پھٹی ہوئی مسند' روتے ہوئے یتیم بچے' آہیں بھرتی بیوائیں' بد دعائیں دیتی مخلوق' زخم سہلاتی رعایا' اور کراہتی چیختی انسانیت' بادشاہوں کی یادگار ہے۔

جب اہل اللہ پر نظر پڑتی ہے تو ان کا چہرہ روشن نظر آتا ہے' ان کی پیشانی پر آثار عبادت تو نظر آتے ہیں نشان ملامت ہرگز نہیں' دل میں درد کے چراغ تو فروزاں ہوتے ہیں' ندامت کے داغ نمایاں نہیں' دامن پر فقیر کے پیوند تو موجود ہیں گدائی کا کوئی دھبہ نہیں ہے' ان کے گیسو منتشر ہوتے ہیں مگر دل و ضمیر صد فیصد مطمئن' پیٹ خالی رکھتے ہیں لیکن کسی کے سوالی نہیں بنتے' برہنہ سر تو ہوتے ہیں کسی کے دست نگر نہیں بنتے' پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے جنت کی روشوں کا لطف اٹھاتے ہیں' دنیا ان سے لاکھ منہ موڑے مگر وہ کسی کا دل نہیں توڑتے' صوفیاء اپنے پیچھے قلعے چھوڑ کر نہیں جاتے خوبصورت رویے چھوڑ کر جاتے ہیں ان کی وراثت درہم و دینار نہیں حسن اخلاق و کردار ہے' ان کا ترکہ باغات و محلات نہیں قابل تقلید فضائل و عادات ہیں' یہ لوگ کتنے دلوں میں خوف خدا بھر گئے' کتنی آنکھوں کو معرفت کی چمک دے گئے' کتنے ذہنوں میں احساس جوابدہی اجاگر کر گئے' کتنے ہاتھوں کو مصروف دعا کر گئے۔ کتنی زبانوں کو وقف ذکر کر گئے۔ کتنے ماتھوں کو آشنائے سجدہ کر گئے۔ کتنے سینوں میں شمع عشق روشن کر گئے' اور کتنی سوچوں کو

پاکیزگی اور کتنی روحوں کو بالیدگی بخش گئے' اس بات کو ثابت کرنے کے لیے دنیا کا چپہ چپہ گواہ بننے کو تیار ہے' ارض بسطام سے خاک سرہند تک اور کوچہ بغداد سے شہر اجمیر تک یہ داستان مہر و وفا اور حکایت سوز و عشق ذرّے ذرّے پر رقم ہے' تاہم اس داستان کو پڑھنے کے لیے علم کی خشونت نہیں عرفان کی لذت درکار ہے' تب معلوم ہو گا کہ انقلاب' فتویٰ سے نہیں تقویٰ سے آتا ہے اور وہ شوخی دکھانے سے نہیں اپنی ہستی مٹانے سے برپا ہوتا ہے۔

جماعت اولیاء ہمارے شکریے کی مستحق ہے کہ اس کے افراد خاک بسر رہ کر ہمارے لیے سرمایہ فخر چھوڑ گئے' ان کا نالۂ نیم شبی ہمیں نئی زندگی دے گیا' ان کی آہ سحر گاہی نے خود آگاہی کی راہ سجھا دی' ان کی راتوں کی ناآسودگی نے ہمیں نفس کی آلودگی سے بچائے رکھا' ان کے طرز بندگی نے انسانوں کو شعور زندگی عطا کر دیا' اور ان کی شگفتگی دل نے رونق محفل بڑھا دی۔

سید العارفین حافظ الملّت والدین حضرت حافظ محمد صدیقؒ بانی خانقاہ بھرچونڈی شریف (سندھ) انہی لوگوں میں شامل ہیں جن کی موج نفس شمع کشتہ کو جلا سکتی ہے' جن کی خلوت گزینی پر رونق انجمن نچھاور کرنے کو جی چاہتا ہے' جن کے سینے معرفت خداوندی کے خزینے' اور جن کی آستینوں میں ید بیضا چھپے ہوتے ہیں' یہ مرد درویش 1234ھ کو بھرچونڈی کے بے آب و گیاہ و بنجر و ویران مضافات میں پہلی سانس لیتا ہے اور جب 1308ھ میں اس کا دم آخریں آتا ہے' تو اس درمیانی عرصے میں آب گیاہ سے محروم خطہ' ذکر الٰہ سے معمور ہو چکا ہوتا ہے۔ اور بنجر و ویران علاقہ عشق و مستی کے کاروان میں بدل چکا ہوتا ہے' اس درگاہ کے تمام فقراء آب و ہوا میں نہیں یاد خدا میں جیتے تھے' یہ لوگ ذاتی حوالے سے تکمیل آرزو میں نہیں رضائے الٰہی کی جستجو میں رہتے تھے' ذکر و فکر میں اس طرح محو رہتے کہ اللہ کا نام ان کا تکیہ کلام بن گیا تھا' لا الہ الا اللہ ان کی روزمرہ کی زبان تھی' کسی کو بلانا ہو' پانی مانگنا ہو' گھر میں آنا ہو' آغاز کلام کرنا ہو' رخصت لینا ہو' دروازے پر دستک دینی ہو' لا الہ الا اللہ کہہ کر متوجہ کرتے' زبان کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیش نظر اور ملحوظ خاطر ہوتا کہ ہمارا ہونا نہ ہونا' سانس کی آمد و شد' نفع و نقصان' طلب و رسد' سب کچھ اللہ کی ذات سے منسوب اور اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

بھرچونڈی شریف میں درسگاہ قادریہ کا قیام 1258ھ میں عمل میں آیا' جب حضرت شیخ دنیا سے 1308ھ میں رخصت ہوئے تو بھرچونڈی شریف کی گمنام بستی ہی نہیں پوری وادی مہران (سندھ)

کوہ چلتن (بلوچستان) کا دامان اور جنوبی پنجاب کا میدان ذکر الٰہی سے گونج رہا تھا' ایک محتاط اندازے کے مطابق حافظ الملت ؒ کی زندگی میں تین لاکھ افراد اس عظیم الشان خانقاہ اور روحانی تربیت گاہ سے مسلک اور فیض یاب ہوئے' وہ لوگ جو بعد میں رشد وہدایت کے آفتاب بن کر چمکے' کسی زمانے میں وہ خاک بھر چونڈی کے ذرے رہے۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
وہ چار دن رہا ہوں کسی کی نگاہ میں

دین پور کی خانقاہ کے شیخ اعظم حضرت خلیفہ غلام محمد ؒ آپ ہی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے' انہی خلیفہ صاحب نے وہ فیض پایا کہ جب واپس دین پور پہنچے تو علاقے کے ہر درخت کا پتہ پتہ اللہ اللہ کا ورد کرنے لگا' برصغیر کی بین الاقوامی شہرت یافتہ تحریک ریشمی رومال کی سرپرستی خلیفہ صاحب ؒ نے فرمائی' امروٹ (سندھ) کے خلیفہ تاج محمود امروٹی بھی آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور مراد پائی' انگریزی استعمار کے خلاف مجسم تحریک' پیکر بغاوت اور شعلہ جوالا مولانا عبید اللہ سندھی ؒ کو نور ایمان' ذوق عرفان اور جوہر ایقان حضرت حافظ الملت ؒ کے قدموں میں بیٹھنے سے ملا' جب مولانا سندھی ؒ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ؒ نے فرمایا "عبید اللہ نے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے" مولانا سندھی ؒ کہا کرتے تھے کہ "حضرت کے ان الفاظ کی تاثیر آج تک میرے دل ودماغ میں موجود اور محفوظ ہے' میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اس لیے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا میں نے قادری طریقے میں آپ سے بیعت کی۔ اس کا یہ نتیجہ مرتب ہوا کہ بڑے سے بڑے آدمی سے میں مرعوب نہیں ہوتا۔" (کابل میں سات سال: مولانا سندھی ؒ)

میں نے اپنے مضمون کا عنوان "جنید وقت" قائم کیا ہے' یہ خطاب اور لقب کسی مغلوب عقیدت کے منہ سے محض جوش ارادت کے حوالے سے نہیں نکلا' بلکہ سرد وگرم چشیدہ' سنار کی تول تولنے والے نقاد اور آنکھیں کھول کر دیکھنے پرکھنے والے مبصر مولانا عبید اللہ سندھی ؒ نے حضرت کی روحانی منزلت اور پاکباز شخصیت کو اس لقب کے لیے موزوں پا کر آپ کو "جنید وقت" کہا۔

آج ایک عالم مولانا سندھی ؒ کے جذبہ حریت' عشق آزادی' نعرہ انقلاب' اور مزاج فقر کا مداح اور گواہ ہے' لیکن مولانا سندھی حضرت حافظ صاحب ؒ کی دہکائی ہوئی بھٹی کا ایک شرارہ تھا جو اس شان سے بھڑکا کہ انگریزی تخت وتاج کو بھسم کر کے رکھ دیا' جیکب آباد سندھ کے حضرت خلیفہ دل مراد خاں ؒ بھی آپ

کے دسترخوان کرم کے خوشہ چین تھے' عراق کے خلیفہ محمد عمر شاہ ؒ کو فیض بھی اسی در دولت سے ملا' کوئٹہ کے خلیفہ ابوالخیر ؒ چشمہ والے کو بھی آپ سے نسبت بیعت حاصل تھی' کابل کے خلیفہ عبد الرحمان ؒ نے اسی در کے ٹکڑے کھا کر خود کو دربدر ہونے سے بچالیا' وہ جو علامہ اقبال ؒ نے کہا ہے:

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

تو انہوں نے بجا طور پر حضرت حافظ صاحب ؒ جیسے لوگوں کے بارے میں کہا ہے' جو کیکر کے معمولی درخت کے نیچے عمر گزار کر اس شان سے دنیا کو الوداع کہتے ہیں کہ ہزاروں انسانوں کے دلوں پر ان کا تخت بچھا ہوتا ہے' عمر بھر ٹھنڈے پانی کو ترسنے والے کی درگاہ روحانی پیاسوں کو سیراب کرتی نظر آتی ہے' اللہ کے نام کی سربلندی کے لیے گمنامی کی چادر اوڑھ کر بیٹھ رہنے والے اپنے "بکل" میں ایک زمانے کو سمو لینے کی طاقت رکھتے ہیں' اور حق ھو کی ایک ضرب سے حرص وہوس کا قلعہ خیبر اکھاڑ پھینکتے ہیں۔

دربار عالیہ سراج منیر قادریہ قطبیہ غفوریہ

چک نمبر 94 شمالی المعروف خونن شریف تحصیل و ضلع سرگودھا

حضرت علامہ پیر سائیں محمد عبدالغفور قادری قدس سرہٗ

قطعہ تاریخ وصال

"محبّ مصطفیٰ عبدالغفور قادری"

۱۹۷۸ء

"دیدہ در گردوں ہم عبدالغفور" — صاحب عرفانِ کامل خوش خصال

۱۹۸۷ء

الفت خیر البشرؐ سرمایہ اش — قلب او روشن ز حب ذوالجلال

راہنمائے جادۂ صدق و صفا — ماہتاب مطلع علم و کمال

در جمادی ثانوی رحلت نمود — شد بجنت از جہانِ پر و بال

مرقدش را کن فروزاں یا خدا — ہم بکن نازل برو ابرِ نوال

سال ترحیلش بگو فیض الامین

"قدوۂ اہل جہاں روشن خیال"

۱۴۰۷ھ

جانشینِ او زہے شمس الضحیٰ — ہمچو پدر خویشِ شیریں مقال

کن عطا او را الٰہ! عمر خضر — ہست مردِ خوب سیرت ذی جمال

نتیجہ فکر:۔ پیر طریقت صاحبزادہ فیض الامین فاروقی سیالوی

موئیاں ٹھیکریاں۔ گجرات

حضرت علامہ پیر سائیں حافظ محمد عبدالغفور قادری قدس سرہ

قطعہ تاریخ رحلت

"بدر عالم علامہ عبدالغفور صاحب"

۱۹۸۷ء

"روشن کلام حافظ قرآن"

۱۹۸۷ء

پیکر اخلاص و شفقت، صاحب فقر غیور
ماہتابِ فلکِ عظمت، مولانا عبدالغفور

جلوۂ توحید سے تھا اُس کا سینہ پُرضیاء
اس کی رگ رگ میں رچی تھی اُلفت خیرالوری ﷺ

تھا وہ یکتا کارکن تحریک پاکستان کا
اُس کو ورثہ میں ملا تھا جذبۂ عزم و وفا

جنوری کی پندرہ وہ تاریخ تھی روزِ خمیس
واصل حق ہو گیا وہ خوش ادا مردِ نفیس

نہ مٹے گا دہر سے اُس کا کبھی نام و نشان
اس کی یادوں کا دیا دائم رہے گا ضوفشاں

اُس کی مرقد پر ہو نازل ابرِ رحمت دائما
باغ جنت میں اُسے حاصل ہو قربِ کبریا

سالِ رحلت یوں کہو فیض الامین ارفع شعور
"قائد اسلامیاں اہل کرم عبدالغفور"

۱۹۸۷ء

صاحبزادہ فیض الامین سیالوی فاروقی، مونیاں ٹھیکریاں۔ گجرات

وارثِ علوم سیدنا غوث اعظم حضرت قدوۃ الاولیا
مولانا پیر سائیں حافظ عبدالغفور قادری قدس سرہٗ

قطعہ تاریخ (سالِ وصال)

آفتابِ علم و تحقیق علامہ زماں حضرت **مولانا یار محمد بندیالوی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

"معرفت و ہدا کا خورشید"

۱۹۴۷ء

قائد اہل خبر، رہبر ارباب نظر
قلزم دانش و خورشید جہانِ عرفان
عظمت دین نبی کے لیے کوشاں وہ رہا
رزم گاہِ حق و باطل میں اسے حاصل تھی
دنیوی جاہ و تمول اسے مرغوب نہ تھا
سنگ ریزوں کو دُر ناب بنایا اُس نے
حق فراموشوں کو حق دان و حق آگاہ کیا،
ابر فیضان نظر دور تک اس کا برسا
ہو لحد مطلع انوار الٰہی اس کی
صابری سلسلہ چشت کے اس عارف کا

صاحب فہم و ذکا، پیکر علم و حکمت
دُور وہ کرتا رہا جہلِ خرد کی ظلمت
حق تعالیٰ نے عطا کی بڑی اس کو عزت
اپنے "اللہ کی امداد"[1] "حسینی نصرت"[2]
صعب حالات میں کی دین کی اس نے خدمت
کی عطا بادیوں کو اس نے چمن کی زینت
دشت غفلت میں تھا وہ شخص خضر کی صورت
سبز و شاداب ہوئی چار سو کشت ملت
منظر روضہ فردوس ہو اس کی تربت
"مرکز دائرہ فیض" ہے سال رحلت

۱۳۶۷ھ

طارق سلطانپوری

[1] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (مرشد کے مرشد)

[2] حضرت صوفی محمد حسین الہ آبادی (آپ کے مرشد گرامی)

قند مکرر

حضرت پیر سید بشیر احمد خورشید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت پیر سید بشیر احمد خورشید رحمہ اللہ تعالیٰ.......... اپنے عہد کے نامور بزرگ، عالم دین، سماجی شخصیت اور سیاسی بصیرت رکھنے والے مخلص انسان تھے انہوں نے اپنے وصال سے پہلے اپنی اولاد، متعلقین، متوسلین، مریدین اور ارادت مندوں کو سماجی خدمت کا درس دیا وہ دوسروں کی خدمت کر کے مسرور ہونے والے عظیم انسان تھے ان کا نظریہ تھا ۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر — خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے پسماندگان آپ کے دیئے ہوئے اس سبق کو مضبوطی سے اپنے پلے باندھا۔ آپ کے فرزند محترم صاحبزادہ سید لخت حسنین شاہ نے سماجی خدمت کے لیے بین الاقوامی سطح پر ایک تنظیم "مسلم ہینڈز" کے نام سے قائم کی جس کی شاخیں دنیا بھر کے بہت سے ممالک میں اپنے مشن کے لیے عملی طور پر مصروف جہد ہیں جب کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے محترم سید ضیاء النور شاہ پاکستان میں "مسلم ہینڈز" کے کوارڈینیٹر ہیں۔ زیر نظر مضمون حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک پرانے ارادتمند محترم **محمود احمد کاشمیری** نے آپ کے موقع پر وصال کے رقم فرمایا جو آپ کے پہلے عرس مبارک کے موقع پر ماہنامہ "ترجمان اہلسنت" کراچی بابت ماہ مئی 1974ء میں شائع ہوا اب آپ کے 29ویں عرس کی مناسبت سے یہ مضمون نذر قارئین ہے.......... (محبوب قادری)

جن لوگوں نے اسلام کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر اُمت کے لیے عملی نمونے پیش کیے اور دین مصطفیٰ ﷺ کو تازہ اور اُمت کو سرگرم عمل رکھا۔ ان میں پیر سید بشیر احمد خورشید رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے جن کے فیوضات و برکات سے ہر مسلک کے لوگوں نے فیض اٹھایا علاوہ ازیں غیر مذاہب ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر اقوام نے بھی اپنے دامن مراد کو بھرلیا۔

آپ پروانہ شمع رسالت، حقیقت اسلام کے مظہر، ہمدردی خلق خدا کے پیکر، بلند کردار انسان اور انس و محبت کے ایک کامل نمونہ تھے۔ بلکہ پاکیزگی، اخلاق، تقویٰ و طہارت، اخلاص و وفا، صدق و صفا، حلم و تواضع، رحمت و شفقت، جرأت و شجاعت، صبر و استقلال، حق گوئی و بے باکی اور ظاہر و باطنی کمالات سے بھی مالا مال تھے۔ حضرت شاہ صاحب اس دور میں روحانیت کا آفتاب تھے۔ وہ ہمارے لیے ایک مضبوط قلعہ

تھے کہ جس میں ہم امن وسکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ ایک ایسی مقبول اور برگزیدہ ہستی تھے کہ جن کی وجہ سے مصائب اور بلیات خود بخود چھٹ جاتے تھے۔ آپ نے روحانیت میں بہت بلند مقام پایا تھا۔

آپ سوہدرہ کے سادات بخاری خاندان کے معروف وممتاز چشم چراغ تھے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے خیبر سے لے کر' کراچی تک اور بیرون ملک تک کے ہزاروں افراد فیض یاب ہوئے۔ گویا ان کی ذات مرجع خلائق تھی جو کوئی ایک دفعہ شرف ملاقات سے بہرہ یاب ہوتا۔ وہ آپ کے اخلاق حسنہ کا دل و جان سے گرویدہ ہو جاتا۔ جس کسی نے بھی رخ انور پر نگاہ ڈالی تو حسن و جمال کی تمام رعنائیاں' اسے اپنے حصے میں آتی دکھائی دیں وہ یہی محسوس کرتا کہ حضرت شاہ صاحب کی تمام توجہ' انس اور شفقت صرف میرے لیے ہی مخصوص ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے ادب و شائستگی جیسے اعلیٰ اوصاف بھی ودیعت فرمائے تھے۔ چنانچہ آپ کی گفتگو اور ہر بات سے ایک عزم و شگفتگی اور جوش و مسرت ٹپکتی تھی آپ کے افکار و خیالات نہایت بلند اور آپ کی مصروفیتیں بے شمار تھیں۔ انہیں دیکھ کر گمان تک نہ ہوتا تھا کہ وہ پیر ہیں آپ کی حیا کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرد و زن دونوں کے روبرو آپ کی شرافت سے بھرپور آنکھ ہمیشہ جھکی رہتی تھی۔ کیا مجال آنکھ میں آنکھ ڈال کر کسی سے مخاطب ہوتے۔

حضرت شاہ صاحب کی ہر سانس خدا پرستی کے لیے وقف تھی اور رگ رگ میں رسول عربی ناموس صحابہ اور اہل بیت کی محبت دوڑ رہی تھی۔ آپ کا سینہ نور ایمان سے معمور تھا' اور دل میں ملی و قومی خدمت کا جذبۂ صادق موجزن تھا آپ کے اخلاص و خصائل اور روح پرور خطبات سے سینکڑوں غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے۔ مرحوم ملی و قومی تحریکوں میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ تحریک حریت کشمیر' تحریک پاکستان' تحریک ختم نبوت اور گذشتہ جنگ 65 اور 71ء میں آپ نے پوری سرگرمی سے شرکت کی۔

شاہ صاحب اس دور میں دینی صداقتوں کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ان کی زندگی علم و فضل' جہاد و عمل' زہد و تقویٰ اور محبت و شفقت سے بھرپور تھی۔ بلکہ پوری زندگی جلوت و خلوت میں نشست و برخاست میں' سونے اور جاگنے میں' ذکر الٰہی سے عبادت کی۔ آپ نے تمام زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں' سیرت صحابہ کے مطابق علمی و عملی' دینی و دنیوی معاملات میں مخلوق خدا کی بے لوث رہنمائی کی' آپ کے مبارک اور نورانی چہرے پر "نصرۃ نعیم" کی جھلکیں نظر آتی تھیں۔ نیک مزاجی

اور کریم النفسی کے باعث عوام میں خاص وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ ایک مرد مومن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ موت سے متردد نہ تھے بلکہ ہر لحہ ایک عاشق صادق کی طرح موت کے انتظار میں رہے۔ کیونکہ آپ کا قلب نور ایمان اور محبت رسول ﷺ سے معمور تھا۔

4 مئی 1973ء کو جمعۃ المبارک کا دن تھا آپ راولپنڈی سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ویگن وزیر آباد کھڑی ہونے کی بجائے الٰہ آباد جا کھڑی ہوئی۔ آپ نے یہاں نماز جمعہ میں شرکت کی اور بعد میں ایک دعوت ولیمہ میں شریک ہوئے بعد ازاں آپ کے دل میں درد اٹھا اور اپنے ایک دوست حکیم محمد فاضل کے گھر چلے گئے۔ جہاں آپ نے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے مقدس کلمات ادا کرتے ہوئے 5 بج کر 40 منٹ پر اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر دیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موت سے پہلے اور موت کے بعد آپ کا چہرہ نہایت پرنور اور درخشاں تھا اور تبسم کی کیفیت بالکل واضح اور نمایاں تھی۔ گویا۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

نماز مغرب کے قریب آپ کی میت مبارک الہ آباد سے واپس آپ کے گھر سوہدرہ آئی رات بھر میں ہزاروں عقیدت مند جمع ہو گئے۔ دوسرے روز صبح 8.30 بجے آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازے کے ساتھ ہر قسم کے اور ہر فرقہ کے لوگ تھے۔ علماء و حکماء' حفاظ اور عوام اپنے اور بیگانے غرضیکہ مغربی پاکستان سے جس قدر عقیدت مند حاضر ہو سکتے تھے ہوئے اور نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی' آخر اس مہر رشد و ہدایت کے جسد اطہر کو جامع مسجد آرائیاں کے دروازے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سلا دیا گیا جہاں آپ نے پچاس سال تک جمعۃ المبارک میں خطابت کے فرائض سر انجام دیئے۔ آپ کی وفات سے اہلسنت و جماعت ایک ممتاز اور جید عالم دین سے محروم ہو گئے۔

رب کریم انہیں کروٹ کروٹ فردوس بریں کی بہاریں نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادگان کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق بخشے اور سماجی خدمت کی صورت میں ان کا فیض جاری رکھے۔ آمین

فیض سیدنا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ دنیائے عرب میں

پیش نظر مقالہ عہد حاضر میں دنیائے اسلام کے نامور عالم دین، محقق، مترجم، مدرس، دانشور، ادیب اور مصنف حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ نے ۲۱ مئی ۱۹ء بروز اتوار بعد نماز عشاء حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس مبارک کے ... پر محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام مجلس مذاکرہ میں پیش کیا اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد، جامع ... مدلل تحریر ہے اور حضرت مولانا شرف صاحب قبلہ نے حضور سید الاولیاء سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوب کر موضوع کی مناسبت سے اپنی تحقیق نہایت خوبصورت انداز میں پیش کی ہے۔ ایک عظیم سکالر کی علمی کاوش ان کے شکریہ کے ساتھ ہم اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں۔..................(ادارہ)

سید اولیاء داتا گنج بخش قدس سرہ ایمانی، ... اخلاقی اور نسبی شرافتوں کا پیکر مجسم تھے آپ کا سلسلہء نسب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ کا خاندان علم وفضل اور تقویٰ وطہارت میں مشہور تھا، آپ دینی اور روحانی ماحول میں پروان چڑھے، آپ نے نہ صرف اپنے علاقے کے ارباب علم و عرفان کا فیض حاصل کیا بلکہ کئی ممالک کا سفر کر کے علماء ومشائخ سے فیض یاب ہوئے اور اصحاب مزارات سے بھی مستفیض ہوئے جس کے نتیجے میں ایک ایسی شخصیت تیار ہوئی جس نے ظلمت کدۂ ہند کو اسلام اور قرآن وحدیث کے انوار سے منور کر دیا تقریباً ساڑھے نوسو سال سے آپ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے جہاں عوام وخواص حاضر ہو کر روحانی فیض اور سکون بھی حاصل کرتے ہیں اور ہندوستان میں پہلے پہل اسلام کی تبلیغ کرنے والے مبلغین میں سے نمایاں ترین ہستی کو خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیضان کا عظیم ذریعہ آپ کی تصنیف لطیف کشف المحجوب ہے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی یہ نہ صرف تعلیمات اسلام کا نچوڑ ہے بلکہ صحیح اسلامی تصوف کا نصاب بھی ہے اس سے پہلے صوفیہ کرام نے تصوف کے موضوع پر صرف عربی میں کتابیں لکھی تھیں۔ مثلاً

۱۔ التعرف امام ابوبکر کلاباذی (م ۳۸۵ھ یا ۳۹۰ھ)

۲۔ اللمع۔ امام ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی (م ۳۷۸ھ)

۳۔ طبقات الصوفیۃ۔ امام ابوعبدالرحمٰن السلمی (م ۴۱۲ھ)

۴۔ رسالہ قشیریہ۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (۴۶۵ھ)

۵۔ قوت القلوب۔ امام ابوطالب مکی

کشف المحجوب تصوف کے موضوع پر فارسی میں لکھی گئی پہلی کتاب ہے یہ کتاب متقدمین کی عربی تصانیف میں کئی وجوہ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے لئے ماخذ ہے۔ مثلاً

۱۔ اسرار التوحید: شیخ ابوسعید بن ابوالخیر کے حالات پر ان کے پوتے محمد بن منور ابن ابوسعید نے ۵۷۴ھ کے آس پاس لکھی۔

۲۔ تذکرۃ الاولیاء: شیخ فریدالدین عطار (م ۶۲۷ھ)

۳۔ نفحات الانس: مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی

ان کتابوں میں کشف المحجوب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

کشف المحجوب پر پہلے پہل مسلمانوں کی بجائے دو مستشرقوں نے کام کیا۔

۱۔ ژوکوفسکی: اس روسی مستشرق نے کشف المحجوب کے فارسی نسخے کی تصحیح کی، اس پر روسی زبان میں قیمتی مقدمہ لکھا اور اس کے ساتھ آٹھ فہرستیں لگائیں یہ کتاب اس کی زندگی میں نہ چھپ سکی وفات کے بعد ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ سے صرف اڑھائی سو نسخے چھپے۔

۲۔ نکلسن: جس وقت ژوکوفسکی کشف المحجوب پر کام کر رہا تھا، اسی وقت نکلسن اس کا ترجمہ انگریزی میں کر رہا تھا، اس کے پیش نظر ۱۹۰۳ء میں لاہور سے چھپا ہوا کشف المحجوب کا نسخہ تھا اس کے علاوہ اس کے سامنے دو قلمی نسخے تھے جو ایک ہندوستان سے اور دوسرا برطانیہ سے ملا تھا۔ نکلسن نے اس ترجمہ پر آٹھ صفحات پر مشتمل قیمتی مقدمہ بھی لکھا، یہ ترجمہ ۱۹۱۱ء میں لندن سے شائع ہوا۔

کشف المحجوب کا عربی ترجمہ:

۶ ستمبر ۱۹۹۹ء کو راقم الحروف، مولانا سید وجاہت رسول قادری صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے ہمراہ قاہرہ پہنچا، وہاں جامعہ ازہر شریف اور جامعہ عین شمس کے فاضل اساتذہ اور طلباء سے ملاقاتیں رہیں۔ ۱۴ ستمبر بروز منگل شیخ الازہر محمد سید طنطاوی مدظلہ سے ان کے نئے سیکرٹریٹ "مشیخۃ الازہر" میں ملاقات ہوئی، شیخ بڑی شفقت سے ملے آدھے گھنٹے کی ملاقات میں مختلف موضوعات پر مفید بات چیت ہوئی واپسی پر ان کے حکم پر سیکریٹری نے بہت سی کتابیں دیں جن میں الازہر شریف کا چھپا ہوا کشف المحجوب کا عربی ترجمہ بھی تھا اس کے علاوہ شیخ کی تفسیر "التفسیر الوسیط" پندرہ جلدوں کا سیٹ بھی دیا سیکریٹری نے بتایا کہ سیکریٹریٹ کے افتتاح کے موقع پر کل صدر جمہوریہ مصر، حسنی مبارک کو تفسیر کا تحفہ پیش کیا تھا اس کے بعد پہلا مکمل سیٹ آپ کو پیش کیا جارہا ہے۔

کشف المحجوب کا یہ عربی ترجمہ انگریزی سے عربی میں علمی اور صوفی خانوادے کے نامور عالم سید محمود احمد ماضی ابوالعزائم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا استاذ اسمٰعیل ماضی ابوالعزائم نے اس پر نظر ثانی کی، ڈاکٹر ابراہیم دسوقی شتا نے اصل فارسی نسخے کو سامنے رکھ کر عربی ترجمہ کا مقابلہ کیا پھر اس کی تحقیق کی اور اس پر مقدمہ لکھا ڈاکٹر نورالدین شریبہ نے یہ ترجمہ شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ اسے ازہر شریف کی طرف سے شائع کیا جائے۔

ڈاکٹر ابراہیم دسوقی شتا، نے مقدمہ میں نکلسن کے انگریزی ترجمہ پر بڑا بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے اس کے نکات کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں۔

(۱) نکلسن کے سامنے ژوکوفسکی کا محققہ نسخہ کشف المحجوب نہیں تھا اس نے صرف ان نسخوں پر اعتماد کیا جو اسے برطانیہ سے فراہم کیے گئے تھے۔ (۲) ترجمہ بڑی محنت سے کیا ہے۔ (۳) نکلسن، اصل فارسی کے بعض الفاظ ترجمہ کئے بغیر چھوڑ دیتا ہے، خصوصاً مشائخ کی وہ صفات جن کا سید علی ہجویری (داتا صاحب) ذکر کرتے ہیں۔ (۴) بعض فقروں کا ترجمہ چھوڑ جاتا ہے۔ ممکن ہے اس کے پیش نظر نسخوں میں وہ فقرے موجود نہ ہوں۔ (۵) نکلسن نے دانستہ رسول اللہ ﷺ کے بعض واقعات حذف کردیے ہیں جن کی

طرف سید علی ہجویری (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اشارہ کیا تھا یہ الگ بات ہے کہ اس نے حاشیے میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس طرح اس کی کوتاہی کا ازالہ نہیں ہوتا۔ (۶) اسی طرح جہاں سید علی ہجویری کسی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو نکلسن اسے حذف کر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مصنف نے اس جگہ ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے حالانکہ اس طرح عبارت کا تسلسل برقرار نہیں رہتا[۲]

ڈاکٹر ابراہیم دسوقی شتا کہتے ہیں:

بعد ازاں ژوکوفسکی کا محققہ اور کامل نسخہ کشف المحجوب سامنے آیا اس میں کئی ایسے اضافے تھے جو انگریزی نسخے (نکلسن کے ترجمہ) میں نہیں تھے میں نے ان حصوں کا ترجمہ کر کے کتاب میں شامل کر دیا۔[۳]

ڈاکٹر ابراہیم دسوقی شتا، نے حواشی میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اور اقوال مشائخ صوفیہ کی تخریج بھی کی ہے، اس طرح کشف المحجوب کا یہ عربی ترجمہ ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آیا۔

۱۴ مارچ ۲۰۰۰ء کو عزیزم ممتاز احمد سدیدی جامعہ ازہر شریف سے ایم فل میں بتقدیر ممتاز کامیابی حاصل کر کے لاہور آئے اور اپنے ساتھ قیمتی کتابوں کا ذخیرہ بھی لائے، اس ذخیرے میں دو جلدوں پر مشتمل کشف المحجوب کا عربی ترجمہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ یہ ترجمہ ایک خاتون ڈاکٹر اسعاد عبدالہادی قندیل نے کیا ہے اس خاتون نے ۱۹۶۹ء میں جامعہ عین شمس سے ڈاکٹریٹ کیا ان کے مقالے کا موضوع تھا۔

ہجویری.........اور کشف المحجوب کی روشنی میں ان کا مذہب تصوف

پھر انہیں شوق پیدا ہوا تو نہ صرف کشف المحجوب کا عربی میں ترجمہ کیا بلکہ اس پر تحقیقی حواشی بھی لکھے جن میں آیات مبارکہ، احادیث طیبہ کی تخریج کی جن شخصیات کا کتاب میں ذکر ہے ان کا تعارفی تذکرہ کیا نیز جہاں حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ نے متقدمین مشائخ کی کتابوں مثلاً طبقات الصوفیہ، رسالہ قشیریہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے اس کا بھی حوالہ دیا ہے۔

ڈاکٹر اسعاد قندیل نے کتاب کی ابتداء میں ۱۸۸ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس کے پہلے باب میں داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور کے سیاسی ثقافتی اور دینی ماحول کا جائزہ پیش کیا ہے پھر اس دور کے تصوف کا نقشہ کھینچا ہے اس کے بعد آپ کے سوانح حیات پیش کئے ہیں دوسرے باب میں کشف المحجوب کا تعارف کراتے ہوئے اس کے ابواب اور مآخذ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد کتب تصوف میں کشف المحجوب کے مقام اور اس کی علمی قدر و قیمت پر گفتگو کی ہے۔ اس باب میں اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے کہ کشف المحجوب میں کن کن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور اس سے کن کتابوں میں استفادہ کیا گیا ہے؟ آخر میں بتایا ہے کہ اس عظیم وجلیل کتاب کے مخطوطے کہاں ہیں اور یہ کہاں کہاں سے شائع کی گئی ہے؟ اس کے انگریزی ترجمہ کا بھی تعارف کرایا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں لکھا گیا اور ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء میں قاہرہ سے دو جلدوں میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر اسعاد قندیل کشف المحجوب کی علمی قدر و قیمت پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہیں:

کشف المحجوب صوفیہ کے اصول وعقائد اور مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے اس سلسلے میں شیخ ہجویری اپنے معاصر شیخ قشیری کے طریقے پر چلے ہیں لیکن ان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انہوں نے ایک استاذ کا طریقہ اختیار کیا ہے اور ہر مسئلے پر تفصیل اور وضاحت سے بات کی ہے، یہاں تک کہ مشائخ کے حالات بیان کرتے ہوئے جب کسی مسئلے کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں اپنی رائے بھی بیان کرتے ہیں۔

باوجودیکہ شیخ ہجویری نے جن موضوعات پر گفتگو کی ہے ان میں کتاب اللمع اور رسالہ قشیریہ سے بہت استفادہ کیا ہے، لیکن انہوں نے صرف نقل کرنے پر ہرگز اکتفا نہیں کیا بلکہ جو علمی انداز انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا ہے اس کے نتیجے میں ان کی شخصیت کشف المحجوب میں واضح نظر آتی ہے، وہ جب کسی مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں ان اقوال پر رد کرتے ہیں اپنے ذاتی علم اور شخصی تجربے کی بنا پر قائم کی ہوئی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ مورخ اور راوی کی بجائے استاذ اور معلم زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

اس کے بعد اپنا فیصلہ اس طرح سناتی ہیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ کشف المحجوب کی اہمیت رسالہ قشیریہ سے زیادہ ہے کیونکہ رسالہ قشیریہ کی اہمیت اس بناء پر ہے کہ وہ اقوال، تعریفات، حکایات، اور امثلہ کا قیمتی مجموعہ ہے اسی بنا پر کشف المحجوب، اللمع اور طبقات الصوفیہ سے بھی برتر ہے۔[4]

کشف المحجوب کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے چودھویں باب میں صوفیہ کے بارہ مذاہب اور مکاتیب فکر بیان کیے ہیں جن میں سے دو مردود ہیں اور باقی مقبول، نکلسن کا کہنا ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ تفصیل سب سے پہلے حضرت سید علی ہجویری نے بیان کی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسعاد قندیل نے لکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان فرقوں یا ان مدارس کی طرف صوفیہ کی تقسیم سب سے پہلے شیخ ہجویری نے کی ہے، کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی کتابوں مثلاً، اللمع، التعرف، قوت القلوب، طبقات الصوفیہ اور رسالہ قشیریہ میں سے تصوف کی کسی کتاب میں اس تقسیم کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔[5]

اس گفتگو کے خاتمے پر لکھا ہے۔

اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ کشف المحجوب اگلی اور پچھلی کتب میں اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس کے مصنف کا تصوف کے مطالعہ میں مخصوص انداز ہے وہ دوسرے مصنفین کی طرح صوفیہ کرام کے اقوال، سوانح حیات اور ان کے اصول بیان کرنے اور مختلف آراء نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ان مسائل پر تحقیقی اور تنقیدی گفتگو کرتے ہیں اور کبھی تفصیل اور وضاحت فرماتے ہیں ہر بحث میں ان کی شخصیت واضح نظر آتی ہے۔[6]

اس طرح امام الاصفیاء حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کے افکار عالیہ اور آپ کا پیغام دنیائے عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ رہا ہے۔

کہاں کھولی ہیں زلفیں یار نے، خوشبو کہاں تک ہے؟

قاہرہ، مصر میں سید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر اقدس مدفون ہے، جہاں ہر وقت مصری عوام و خواص بکثرت حاضری کے لئے آتے رہتے ہیں۔ مشہد حسینی کے ساتھ بہت بڑی مسجد ہے جہاں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں سیدہ زینب، سیدہ سکینہ، سیدہ رقیہ، سیدہ نفیسہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے مزارات کے ساتھ بھی عظیم مسجدیں ہیں اور وہاں ہر وقت حاضرین کا تانتا بندھا رہتا ہے غرض یہ کہ مصری عوام وخواص سادات کرام اور اولیاء عظام کے انتہائی عقیدت مند اور گرویدہ ہیں۔

محکمہ اوقاف، پاکستان کو چاہیے کہ داتا گنج بخش سید علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ کی کتاب مبارک کشف المحجوب کا عربی ترجمہ نیز ڈاکٹر اسعاد کے پی ایچ ڈی کا مقالہ چھپوا کر عرب ممالک خصوصاً مصر کے اصحاب علم حضرات اور لائبریریوں کو بھجوائیں اصل فارسی چھپوا کر روس سے آزاد ہونے والی ریاستوں، ایران اور افغانستان بھجوائیں اسی طرح صوفیہ کرام کے کسی عقیدت مند فاضل سے انگریزی ترجمہ کروا کر یورپ کے فضلاء اور لائبریریوں تک پہنچایا جائے داتا صاحب کا فیض اور پیغام پوری دنیا میں پہنچانے کا یہ بہترین اور واحد طریقہ ہے۔

کشف المحجوب کے اردو میں متعدد تراجم چھپ چکے ہیں ان میں سے بہترین ترجمہ منتخب کر کے مفت تقسیم کرنے کا تمام ہونا چاہیے۔ اور اسے بھی لنگر کا ایک حصہ بنا دینا چاہیے۔

حال ہی میں ہمارے فاضل دوست اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے استاد، ڈاکٹر خالق داد نے کشف المحجوب میں شامل آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تخریج کی ہے جو کتابی صورت میں چھپ چکی ہے یہ وقیع علمی کام ہے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے اور پنجاب یونیورسٹی میں قائم داتا گنج بخش چیئر پر اولیاء کرام کے عقیدت مند کسی ایسے ہی فاضل کو مقرر کرنا چاہیے، جو مسلسل داتا صاحب پر کام کرے۔

---

1. اسعاد عبدالہادی قندیل، ڈاکٹر: مقدمہ کشف المحجوب للہجویری (قاہرہ) ص ۱۶۳_۵۱
2. ابراہیم دسوقی شتا، ڈاکٹر: مقدمہ کشف المحجوب (عربی) ص، ل
3. ....ایضاً........ایضاً........ایضاً
4. اسعاد عبدالہادی قندیل، ڈاکٹر، کشف المحجوب للہجویری (مقدمہ) ص ۱۸۲
5. ....ایضاً........ایضاً........۱۸۳
6. ....ایضاً........ایضاً........۱۸۴

اردو اور پنجابی کا نامور نعت گو شاعر

حضرت عبدالکریم ثمر رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت عبدالکریم ثمر اپنے عہد کے نامور نعت نگار تھے سیرت پاک اور نعت شریف کے ساتھ ان کی وابستگی نے انہیں عظیم مقام دلوایا۔ شاخ سدرہ سچی سرکار۔ سمیت ان کی اپنے موضوع پر قابل تعریف کتابیں ہیں "پاک ڈائجسٹ" لاہور کے ایڈیٹر جناب فضل "من اللہ" نے حضرت عبدالکریم ثمر رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک مضمون سپرد قلم کیا۔ یہ مضمون آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی تازگی وشگفتگی برقرار رکھے ہوئے ہے در حقیقت یہ مضمون فرزند ثمر جناب محترم محمد اعجاز چغتائی صاحب کی کتاب "اعجاز ثمر" کا ایک باب ہے...... موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ تحریر نذر قارئین ہے اس آرزو کے ساتھ کہ ان تصدق رب کریم ہمیں بھی ذرۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماوے۔ آمین۔

(محبوب قادری)

عبدالکریم ثمر اردو اور پنجابی ادب میں ایک شاعر کے طور پر خوب مشہور ہیں لیکن انھوں نے پنجابی نثر میں ایک کتاب "سچی سرکار" (۱۹۴۰ء) ایسی لکھی جس نے ان کا نام پنجابی زبان وادب کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ وجاوید کر دیا۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں اب بھی شامل ہے۔ اس کتاب کے پہلے صفحے پر عبدالکریم ثمر نے لکھا ہے۔

دسمبر ۱۹۵۸ء دی اک ٹھردی شام سی۔ میرے گوڑھے سجن مظفر گجراتی ہوری گجرات دے اک نوجوان سکول ماسٹر شاہ خان درانی دے نال نمانے دے ڈیرے تے مہمان ہوئے سن...... تے میں "چٹان" لاہور لئی اپنے "سفر نامہ حجاز" (اردو) دا مسودہ اوہناں نوں پڑھ کے سنا رہیا ساں...... تے اوہ نوجوان بول پیا۔ ثمر جی! تسیں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارے وی مکمل پنجابی نثر اندر اک باقاعدہ کتاب کیوں نہیں لکھ چھڈدے؟...... میں بک ٹک رہ گیا جے ایس نوجوان دی گل اندر کیہدی واج اے؟ کیوں جے کیاں دیہاڑیاں توں میں آپ وی ایہوای سوچدا رہیا ساں...... تے میں اوسے ویلے پکی نیت کرلئی جے انشاء اللہ ضرور لکھاں گا...... تے الحمد للہ لکھ لئی اے۔

پنجابی نظم دے اتہاس وچ مکمل نظم اندر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارے پہلی کتاب "کملی پوش ختم المرسلین" (۱۹۴۵ء) بارے مشہور اے جے دائم اقبال دائم ہوراں ایہہ کتاب واسو (گجرات) دے جانے مانے بزرگ بابا جی وزیر محمد رحمتہ اللہ علیہ دی فرمائش تے لکھی سی۔ ہن میں سوچناں جے مکمل پنجابی نثر اندر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارے ایہہ پہلی کتاب "سچی سرکار" وی خورے اوہناں ای بزرگ دی فرمائش تے میں لکھی اے...... کیوں جے ایہہ نوجوان اوہناں ای بزرگ دا پوترا اے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فروری ۱۹۶۰ء۔ لاہور)۔

آگے لکھتے ہیں کہ..... محبت ضابطے نہیں ویکھدی تے عشق ذات نہیں پچھدا۔ عظمتاں نوں پرکھن واسطے انسان دی نظر ہونی چاہیدی اے پر میں تے مصر دی مائی وانگوں سوتر دی اٹی لے کے یوسف دے خریداراں وچ ناں لکھایا اے کیوں جو ذرے نوں وی سورج نال اک نسبت ہوندی اے۔

میں ایس کتاب وچ رسول اللہ دی سیرت دے اوہ پہلو پیش کیتے نیں جہاں وچوں حضور پاک دے اخلاق، مہر محبت تے رحمت بہت تے روشنی پیندی اے نالے جہاد تے تبلیغ دا سبق ملدا اے......

رسول اللہ دی زندگی تے دوجیاں اچیاں تے علمی زباناں وچ بے انت کتاباں ملدیاں نیں پر میں نمانے پنجابی وچ سیرت دے پھل چنے نیں تاں جو پنجاب دے باغ وی اوہناں دی خشبو نال مہکن...... کیہدی مجال اے جے کائنات دے والی تے لولاک دے مالک دی سیرت لکھن دا حق پورا کر سکے پر کملی والے دے کرم تے رب دی توفیق نال ایہہ کم توڑ چڑھیا۔

عبدالکریم ثمر نے بھرپور ادبی اور ملی زندگی گزاری ہے لیکن عشق رسول ان کی ذات میں اس طرح چھپا رہا ہے جیسے درویش اپنی غیبی صلاحیت اور روحانیت کو چھپائے رکھتا ہے۔ عبدالکریم ثمر صاحب ریلوے کے ٹیکنیکل شعبے میں ملازم رہے۔ مشاعروں میں کلام سناتے رہے۔ مولانا ظفر علی خان اور حضرت علامہ اقبالؒ کی تحریکات میں مسلمانان ہند کی آزادی کا نعرہ لگاتے رہے۔ تحریک پاکستان کے کارکن رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد حکیم ہو گئے پھر نعتیہ کلام لکھنے لگے لیکن ان کا اصل کارنامہ پنجابی نثر کی تاریخ میں سیرت النبی کے بارے میں پہلی باقاعدہ اور مکمل کتاب "سچی سرکار" پیش کرنا ہے جس کی ہمیشہ سے پنجابی زبان میں کمی تھی اور پانچ سو سال میں کسی نے بھی اس شعبے میں کام نہیں کیا تھا...... ثمر صاحب کی ذات کے اندر چھپے ہوئے عشق رسول کا اس کتاب کے ذریعے اظہار ہو گیا بالکل اسی طرح جس طرح

کرامت ظاہر ہو کر درویش کی روحانیت کا راز کھول دیتی ہے۔ عشق رسول اور پاکستان دوستی عبدالکریم ثمر صاحب کا بنیادی عقیدہ ہے۔

میرا سرمایۂ افکار فقط عشق رسول
سعی تخلیق کا حاصل یہی دولت پائی

عبدالکریم ثمر کا اصل نام عبدالکریم، قوم چغتائی، تخلص ثمر تھا۔ والد کا نام خیر دین تھا۔ لاہور کے مضافاتی گاؤں اچھرہ میں جنوری ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی، عربی کی کتابیں پڑھیں اور قرآن پاک ناظرہ مکمل کیا پھر فارسی فاضل اور حکیم حاذق کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیے۔ اس کے بعد ایک ٹیکنیکل کورس کر کے ریلوے ورکشاپ مغلپورہ لاہور میں ملازم ہو گئے جہاں سے ۱۹۶۹ء میں ریٹائر ہوئے اور ۱۹۸۹ء میں لاہور میں وفات پائی۔

شعر و شاعری کا شوق لڑکپن سے تھا لیکن فرماتے تھے کہ ایسی شاعری بے کار ہے جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال سے متاثر ہو کر جب انھوں نے اپنی شاعری کا نصب العین طے کر لیا تو پنجابی اور اردو زبان میں شعر کہنے لگے۔ پہلی کتاب "لگراں" (پنجابی) ۱۹۳۴ء میں منظر عام پر آئی تو اس زمانے کے نامور شعراء اور دانشوروں نے کتاب کو پنجابی ادب میں اچھا اضافہ قرار دیا۔ قاضی فضل الحق نے لکھا کہ..... "لگراں" پنجابی شاعری کی روح کا مجسمہ ہے۔ ماہنامہ رومان، لاہور نے لکھا کہ عبدالکریم ثمر کا شعر و ترنم انجمن حمایت اسلام، ریڈیو لاہور اور پنجاب کے دوسرے اسلامی اداروں کی تقریبات میں گونجتا ہے۔

عبدالکریم ثمر کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ (شعر و سخن اور فکر و عمل میں) علامہ اقبال کے مقلد تھے اور اپنے کلام میں انھوں نے علامہ اقبال کے انداز بیان اور پیغام کو آگے بڑھایا ہے۔ تو یہ بات کافی حد تک درست بھی ہے۔ شاعری کا کوئی ڈھنگ ہو۔ نظم ہو۔ غزل ہو۔ اردو ہو پنجابی ہو۔ کوئی بھی موقع ہو عبدالکریم ثمر کے کلام میں عشق رسول اور ان کا ملی احساس کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود ہوتا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے ان کے کلام میں تحریک پاکستان کا جوش و جذبہ اور مسلمانان ہند کی محرومیوں کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں لیکن مایوسی کی بجائے ایک اثر انگیز یقین کی لہر ان کے کلام کی ہر سطر میں دوڑتی ہوئی ملتی ہے۔ اللہ کی رحمتوں پر یقین اور قوم کی آزادی کا یقین..... غلامی کو وہ ذلت قرار دیتے ہیں

اوراسلام کوتمام انسانیت کے لیے عظیم آسمانی تحفہ کہتے ہیں۔

"نگراں" کے بعد عبدالکریم ثمر کی کتاب "کاخ بلند (۱۹۴۶ء)" پھر "لوح وقلم" (۱۹۵۴ء) میں آئی۔ان کے ذریعہ پنجاب سے باہر ہندوستان میں دور دور تک اس شاعر کی دھوم مچ گئی۔لوح وقلم میں عبد الکریم ثمر نے بقلم خود لکھا کہ۔

"میرا شعر سیاسی ماحول کا آئینہ دار ہے اور حق کا پیغام ہے۔میرے تبصرے ارباب حل وعقد اور آئین فرنگ کے بنائے ہوئے خداؤں پر ایک صحت مند تنقید اور لطیف طنز ہوتے ہیں۔میں ہر شے کو اسلامی نکتہ نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات یقین کرتا ہوں۔میرے کلام کا پس منظر بھی اسلام کی جزئیات ہیں اور انہی کی شرح میرا شعر ہے۔خالق مطلق کی عنایت کردہ قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کے نام کو بلند کرنے کی سعی کرنا خود اپنے لیے دنیا وآخرت میں سرفرازی کی دلیل ہے اور شارح اسلام خواجہ کون ومکاں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت دو جہاں میں عروج و کامرانی کی ضامن ہے......میرا قلم مسلمان ہے اور کتاب وسنت کی حدود کا پابند ہے۔میں پاکستان کو اسلامی نظام میں سمو دینے کا خواہش مند ہوں اور اپنے شعر کو بھی اسلام کی خدمت اور دین کی نشر واشاعت کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں۔

ثنائے سرور عالم ستائش اسلام
میری نگارش پیہم کا ہے یہی مقصود

عبدالکریم کی ایک کتاب "شعر والہام" ۱۹۶۲ء میں بھی آئی اور دینی، علمی، ادبی اور قومی حلقوں میں اس کتاب کو بھی خوب پذیرائی ملی۔ڈاکٹر سید وقار عظیم نے لکھا کہ ان نظموں کا مطالعہ کرتے ہوئے آدمی کے دل میں ولولہ اور جوش بھی پیدا ہوتا ہے اور سوز وگداز بھی۔اسلام اور وطن کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور زندگی کو بہتر صورت میں دیکھنے کی خواہش بھی......پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر نے لکھا کہ ثمر ایک محب وطن شاعر ہے۔جس کا دل ہر بے ضابطگی اور بے راہ روی پر بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے اور وہ ملک وملت کی توجہ اس حقیقت کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہے کہ پاکستان کی تحصیل تو "صبح نو" کا آغاز ہے۔اس صبح کو کامیاب دن بنانے کے لیے ہمیں اس شب وروز کو بدلنا ہوگا جسے ہم نے گلے لگا رکھا ہے۔قوم اس راستے سے بہت دور جا پڑی ہے جو اس کے لیے علامہ اقبال یا قائد اعظم نے تجویز کیا۔

وہ شاعر جو انگریزی دور میں برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار کا نوحہ لکھتا تھا اور تحریک خلافت کے زمانے میں مسلمانوں میں یک جہتی اور بیداری کا نعرہ لگاتا تھا پھر تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کا پر جوش و پر خلوص رکن تھا وہ جو قیام پاکستان پر نازاں تھا اور تعمیر پاکستان کے لیے کام کر رہا تھا......لیکن جنگ ۱۹۶۵ء کے بعد جب پاکستانی قوم کے ولولے بلند تھے اور جب عید میلاد النبی کا موقعہ آیا تو وطن عزیز کے دل شہر لاہور میں عشق رسول کے پروانوں نے رونقیں لگائی ہوئی تھیں۔درود و نعت کی محفلیں سجی ہوئی تھیں۔داتا علی ہجویری گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی نگری میں انجمن فیضان رسول کا سالانہ جلسہ میلاد النبی بھی منعقد ہو رہا تھا۔خوشیاں ہی خوشیاں، رونقیں ہی رونقیں، اسٹیج پر علماء کرام اور صوفیاء کرام کے ساتھ نعت گو شعراء اور نعت خوانوں کی بہار تھی......لیکن انہی ہستیوں کے درمیان گجرات کے حضرت حکیم عبدالطیف عارف، منڈی بہاؤالدین کے پنڈ داسو کے حضرت دائم اقبال دائم قادری اور لاہور شہر کے حضرت عبد الکریم ثمر ہار پھولوں سے لدے ہوئے بیٹھے تھے اور حاضرین کی عقیدت بھری نظروں کے ماحول میں اپنے رب کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے ذکر رسول کی توفیق دے کر ان کو دیس پنجاب اور پورے پاکستان میں یہ عظمت اور اہمیت عطا فرمائی تھی۔ممتاز اسکالر، استاد اور خطیب علامہ عبدالنبی کوکب (اور ینٹل کالج لاہور اور جامعہ نعیمیہ والے) فرما رہے تھے کہ......پنجابی زبان وادب کی تاریخ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے سے ملتی ہے لیکن اس پورے عرصے میں پنجابی نظم اور نثر میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی بھی باقاعدہ اور مکمل کتاب نہیں لکھی گئی تھی صرف فرمودات رسول، عادات رسول ﷺ، اخلاق رسول ﷺ، واقعات رسول ﷺ، معجزات رسول ﷺ قسم کے چھوٹے چھوٹے رسالے ملتے تھے......اس بارے میں پھالیہ گجرات کے گاؤں واسو کے مشہور قلندر صفت صاحب کشف وکرامات بزرگ بابا جی وزیر محمد نے پہلا قدم اٹھایا۔جب گجرات کے مشہور شاعر حکیم عبدالطیف عارف نے "عارف" تخلص رکھا تو بابا جی نے فرمایا کہ عارف تخلص لکھا ہے تو عارفوں والا کوئی کام بھی کرنا ہوگا......اور بتایا کہ عارف کی پہلی پہچان عشق رسول ﷺ ہے۔جیسا کہ بزرگ شاعر حکیم عبدالطیف عارف نے فرمایا کہ تحریک خلافت کے دوران جب انگریز سرکار نے ان کو گرفتار کر لیا تو قید کے دوران انھوں نے پنجابی زبان میں ایک مکمل کتاب "شان حضور" لکھی جو "کملی والا" کے نام سے بھی چھپی لیکن ناقدین نے اس کتاب کو رسول پاک ﷺ کی سیرت نگاری کا پہلا نمونہ قرار دیا کیونکہ یہ کتاب پنجاب نظم میں لکھی گئی تھی

اور اس کے کچھ حصے پنجابی نثر میں تھے...... بابا جی وزیر محمد نے اپنے ہی گاؤں کے مشہور شاعر دائم اقبال دائم قادری سے پنجابی نظم میں سیرت النبی ﷺ کے بارے میں پہلی مکمل اور باقاعدہ کتاب ''کمبل پوش'' اکتوبر ۱۹۴۵ء میں لکھوائی جیسا کہ ابھی حضرت دائم اقبال نے فرمایا کہ انھوں نے یہ کتاب باباجی کی فرمائش اور ضد پر لکھی...... باباجی کا وصال فروری ۱۹۴۶ء میں ہوا لیکن اللہ کی شان دیکھو کہ باباجی کے پوتے شاہ خان درانی نے ۱۹۶۰ء میں لاہور کے مشہور شاعر عبدالکریم ثمر سے فرمائش کر کے پنجابی نثر میں سیرت النبی ﷺ کے بارے میں پہلی مکمل اور باقاعدہ کتاب ''سچی سرکار'' لکھوائی جیسا کہ ابھی حضرت عبدالکریم ثمر نے فرمایا کہ وہ اصل میں شاعر ہیں لیکن ان سے اصل کام پنجابی نثر میں ''سچی سرکار'' لکھوا کر کرایا گیا اور گجرات کے ایک نوجوان سکول ماسٹر نے کس طرح ان کی بخشش کا سامان پیدا کر دیا......اس طرح گجرات کے اس چھوٹے سے گاؤں واسو کے درانی خانوادے کا نام پنجابی زبان و ادب کی تاریخ میں سیرت النبی ﷺ کے بارے میں نظم و نثر میں جب بھی سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے کوئی کام ہوگا تو پہلا پہلا نام حکیم عبدالطیف عارف، دائم اقبال دائم اور عبدالکریم ثمر کا لیا جائے گا جنھوں نے کملی والا، کمبل پوش اور سچی سرکار جیسی کتابیں لکھ کر اپنے مقدر چمکا لیے ہیں اور آج عشقِ رسول کے پروانوں کے درمیان دولھا بنے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد علامہ عبدالنبی کوکب نے باباجی وزیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب مولوی سعید محمد کے بارے میں بتایا کہ گجرات شہر میں دس سال خدمات انجام دینے کے بعد وہ لاہور آ چکے ہیں اور عرصہ دو سال سے پن پورہ کی مسجد میں مدرس و امام ہیں...... حضرت مولوی سعید خان درانی نے فرمایا کہ میں عام سا مولوی ہوں۔ مسجد میں بچوں کو پڑھاتا ہوں اور امامت کرتا ہوں۔ باباجی وزیر محمد کا اکلوتا بیٹا ضرور ہوں لیکن ان کا سجادہ نشین نہیں ہوں کیونکہ باباجی نے اپنی اولاد میں سجادہ نشینی کو ناپسند فرمایا تھا اور جیسا کہ علامہ صاحب نے آپ کو بتایا ہے کہ میرا بیٹا شاہ خان درانی گجرات اور لاہور میں مدرسی کرنے کے بعد رحیم یار خان چلا گیا ہے اور سکول ماسٹر ہے...... باباجی وزیر محمد غیبی صلاحیتوں سے نوازی گئی ہستی تھے اور غیب کا مالک اللہ ہے۔ پنجابی زبان و ادب میں سیرت النبی ﷺ کے بارے میں باباجی نے جو کام کرایا ہے وہ ان کی غیبی ڈیوٹی تھی جو انھوں نے پوری کی اور اپنے زمانے کے سینکڑوں لکھنے والوں میں سے جن تین ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے پسند فرمایا الحمدللہ وہ آج ہمارے درمیان موجود ہیں اور

رہتی دنیا تک پنجابی زبان و ادب میں رسول پاک کی سیرت نگاری کے حوالے سے ان ہستیوں کے نام زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔

مولوی سعید محمد صاحب نے فرمایا کہ جس زمانے میں دائم اقبال صاحب پنجابی شاعری میں سیرت النبی ﷺ لکھ رہے تھے میں نے بھی اس زمانے میں کوشش کی کہ پنجابی نثر میں سیرت پاک پر کتاب لکھوں اور محترم پیر فضل گجراتی نے اس بارے میں مجھے کافی اچھی اور معلوماتی کتابیں بھی لا کر دیں۔ جب میں نے باباجی سے اس بارے میں ذکر کیا تو باباجی نے فرمایا کہ...... کوشش کرو۔ اگر اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ پسند فرمائیں گے تو لکھ لو گے۔ جس کی منظوری ہوگی اسی کا نام چمکے گا۔ اتنے بڑے بڑے علماء بیٹھے ہیں لاہور میں، لیکن پنجابی زبان میں تفسیر لکھنے کی منظوری حضرت نبی بخش نقشبندی کی ہوئی ہے جو میرے پیر بھائی ہیں اور حضرت قاضی سلطان محمود قادری سے فیض یافتہ ہیں...... اور جب میں نے کافی لکھنے کے بعد باباجی کو اپنا مسودہ دکھایا تو فرمایا کہ یہ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا قصیدہ لکھ دیا ہے تم نے۔ سیرت نگاری اور شے ہوتی ہے ...... اس لیے جب عبدالکریم ثمر صاحب نے ''سچی سرکار'' لکھی تو میں ان سے ملنا چاہتا تھا اور ان کو دیکھنا چاہتا تھا کہ کیسے ہوتے ہیں یہ لوگ جو سرکار رحمت اللعالمین ﷺ کے ذکر مبارک کے لیے منظور کر لیے جاتے ہیں۔

عبدالکریم ثمر نے ''سچی سرکار'' جیسی کتاب لکھنے کی سعادت پانے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ میرے والد بزرگوار مشہور بزرگ حضرت شیر محمد صاحب شرقپوری کے عقیدت مند تھے اور ہمارا میاں صاحب شرقپوری کی خدمت میں آنا جانا رہتا تھا...... میں نے وہاں باباجی وزیر محمد کا ذکر سنا تھا۔ میاں صاحب شرقپوری فرمایا کرتے تھے کہ رسول پاک نے پتھروں کو کلمہ پڑھوایا تھا اور ہمارے مولوی وزیر محمد واسو والے نے تو اپنے گاؤں کے ہندوؤں اور سکھوں کو درود شریف یاد کرا دیا ہوا ہے۔ میں بزرگوار حکیم عبدالطیف عارف کی کتاب ''کملی والا'' کے بارے میں بھی جانتا تھا اور محترم دائم اقبال دائم کی کتاب ''کمبل پوش'' کے بارے میں بھی جانتا تھا لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ پنجابی نثر میں یہ کام مجھ سے لیا جائے گا...... اچانک ہی سب کچھ ہوا۔ پہلے میں نے اردو نثر میں ''سفرِ حجاز'' لکھی...... اب اس کتاب کی اہمیت کا علم ہوتا ہے تو حیران ہوتا ہوں کہ ایک شاعر کی مشہوری اس کی ایک نثر کی کتاب سے ہو رہی ہے اور نبیوں کے سردار ﷺ نے مجھ نمانے کمزور کو اپنے ذکر پاک کے لیے منظور فرمایا......

اس کے بعد عبدالکریم ثمر کی شخصیت میں کافی تبدیلی آتی چلی گئی۔ جوش و ولولے والا شاعر عشق رسول کی خوشبو سے مہکنے لگا۔ اس زمانے میں جن مشاعروں میں انھوں نے شرکت کی، لوگ اس بات پر حیران ہوا کرتے تھے کہ عبدالکریم ثمر زیادہ تر نعتیہ کلام سناتے ہیں...... بابا جی وزیر محمد کے صاحبزادے جناب مولوی سعید محمد کی لاہور میں موجودگی اور ان کے ساتھ بار بار بیٹھکوں نے عبدالکریم ثمر کو نعت نگاری کی طرف مائل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۲ء میں جب حضرت مولوی سعید محمد کی وفات ہوئی تو عبدالکریم ثمر نے مولوی صاحب مرحوم کے ساتھ اپنی بیٹھکوں کے ماحول میں نعتیہ کلام پر مبنی ایک مجموعہ "شاخ سدرہ" مکمل کیا۔ جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ نعت نگاری عام شاعرانہ شوق نہیں ہے۔ عشق رسول ﷺ کی مٹی میں سیرت النبی کے علم کی آب و ہوا میں نعت رسول ﷺ کا پودا ابھرتا ہے۔ عبدالکریم ثمر نے "شاخ سدرہ" میں لکھا۔

نعت بجائے خود ایک عبادت ہے۔ نعت کہنے کے لیے سیرت طیبہ پر گہری نظر، زبان اور فنی عبور کے علاوہ قلب و نظر کی پاکیزگی اور روح کی طہارت بھی درکار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور شیفتگی کا شرف اس امر کا متقاضی ہے کہ نعت گو دینی بصیرت اور عہد رسالت کی تاریخ سے بھی کما حقہٗ بہرہ ور ہو...... نعت کی نازک حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی آفاقیت قائم رکھنا آسان نہیں۔ اس کے لیے عشق رسول، سوز و گداز، خیال و عقیدہ کی پختگی کے علاوہ دل و نظر کی مسلمانی بھی شرط ہے...... "شاخ سدرہ" کی نعتیں اور سلام میری روح کی گہرائیوں سے نکلنے والے چند نالے اور آنسو ہیں۔ آرزو ہے کہ یہ حذف ریزے خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں قبولیت کا شرف حاصل کر لیں۔ کارساز مطلق کی عاجز نوازیاں ہیں کہ ایک خاطی و عاصی کو اپنے محبوب پیغمبر کی نعت و منقبت کی توفیق عطا فرمائی۔

نعت گوئی مقام نازک ہے
لکھتے لکھتے لرز رہا ہے قلم

بیروت میں ایک عجیب رواج دیکھا کسی شخص کی وفات کا اعلان اشتہار مطبوعہ کے ذریعے کرتے ہیں۔ مسلمان اور عیسائی دونوں فرقے اس رواج کے پابند ہیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا ہے، تو ایک چھوٹا سا اشتہار چھپوا کر اس کے وارث دیواروں پر چسپاں کر دیتے ہیں جن میں مرحوم کا نام اور پتہ درج ہوتا ہے اور یہ اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں وقت فلاں بیماری سے اس کا انتقال ہو گیا۔
مسلمانوں کے اشتہار، سبحان الذی لا یموت، سے شروع ہوتے ہیں اور عیسائیوں کے اشتہار "سبحان الذی ہو الباقی" سے۔
(نشان منزل...... بانی نوائے وقت حمید نظامی مرحوم)

شہید سیاچن

کیپٹن محمد نصر اللہ خان اعوان

تحریر: ملک محبوب الرسول قادری

شہادت وہ منصب جلیل ہے کہ جس کے حصول کے لیے انبیاء نے بھی خواہش کا اظہار کیا اور حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی آرزو فرمائی شہید کے لیے تو خداوند قدوس نے اپنے کلام مجید میں یوں بشارت ارشاد فرمائی ہے کہ "اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ، تو اللہ کی بخشش اور رحمت، ان کے سارے دھن دولت سے بہتر ہے اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ کی طرف اٹھنا ہے......" (آل عمران: ۱۵۷، ۱۵۸) دوسری جگہ ارشاد فرمایا...... "بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں۔ اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے، اللہ کی راہ میں لڑیں، تو ماریں اور مریں، اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ، توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون؟ تو خوشیاں مناؤ، اپنے سودے کی، جو تم نے اس (اللہ تعالیٰ) سے کیا ہے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے (التوبہ: ۱۱۱)" اسی طرح تیسری جگہ ارشاد الٰہی ہے کہ...... "بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پرا (صف) باندھ کر، گویا وہ عمارت ہیں رانگا پلائی (سیسہ پلائی دیوار)...... (الصف: ۴) اس کے علاوہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر فضیلت جہاد اور عظمت شہداء کا بیان ہوا ہے۔ ایسے میں لازم امر ہے کہ ایک مسلمان کے سینہ میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا ہوتا ہے۔ موجودہ گئے گذرے مشینی اور مادی دور میں بھی یہ جذبہ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ نئی نسل میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ الحمد للہ ہماری نوجوان نسل غیرت اسلامی اور حمیت قومی سے سرشار ہے۔ مجھے آج جس عظیم شخصیت کے متعلق چند سطور لکھنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے وہ نسل نو کا نمائندہ، بہادر، غیور، جری، روشن دماغ، نیک سیرت ہنس مکھ، مثبت سوچ کا حامل اپنا نوجوان ساتھی، شہید سیاچن کیپٹن محمد نصر اللہ خان اعوان ہے۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا فرزند اور اپنی ایک ہی بہن کا اکلوتا بھائی تھا۔ کیپٹن محمد نصر اللہ خان اعوان نے بہت تھوڑی عمر پائی اور بہت ہی چھوٹی عمر میں بہت بڑا مقام پایا...... قدرت نے اس کے خلوص، ایثار، محنت، محبت اور قلبی انس کو اپنی بارگاہ میں قبول کر لیا اور اسے

اتنا عظیم صلہ عطا کیا جو اس سے چار گنا زیادہ وقت اس دھرتی پر گذارنے والے حاصل نہ کر سکے۔ اس نے زندگی کی صرف ۲۳ بہاریں دیکھیں اور پھر پرچم اسلام کی سربلندی کی خاطر مادر وطن پر فدا ہو گئے شہید سیاچن کیپٹن محمد نصر اللہ خان اعوان ۱۵ جون ۱۹۷۲ء کو جری و بہادر لوگوں کی دھرتی وادی سون سیکسر (ضلع خوشاب) میں آباد اعوان خاندان کے ایک معزز فرد ملک عصمت اللہ خان اعوان کے گھر پیدا ہوئے۔ جذبہ حب الوطنی تو گھٹی میں ملا اور اس نے خالص دینی ماحول میں بچپن سے لڑکپن اور پھر نوجوانی کی حدود میں قدم رکھا۔ قائداعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ تعالیٰ کے نہایت معتمد رفیق سفر اور مسلم لیگ کے لیے ساری زندگی گذارنے والے بزرگ سیاست دان قاضی مرید احمد مرحوم ہمارے شہید بھائی کے حقیقی نانا تھے۔ شہید کی والدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، پابند صوم وصلوٰۃ اور نہایت خوش عقیدہ خاتون ہیں۔ ظاہر ہے اس شاندار پس منظر اور ماحول میں تعمیر سیرت و کردار کی اعلیٰ مثال قائم ہو سکتی ہے جو واقعی قائم ہو کے رہی۔ شہید کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرا بیٹا ملک محمد نصر اللہ خان اعوان، سوڈھی جامع مسجد میں باقاعدگی سے نماز پڑھنے جاتا۔ اسے نعت خوانی کا شوق بھی تھا اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تقریر بھی کرتا تھا۔ وہ ایک اچھا کھلاڑی تھا۔ اسے کراٹے سیکھنے کا شوق بھی تھا اس لیے اس نے نہایت جانفشانی سے جوہر آباد میں ہمارے دوست حسن اختر جوئیہ ایڈووکیٹ کے کراٹے کلب میں تربیت پائی۔ نصر اللہ خان اعوان کو سچ سے پیار تھا اور جھوٹ سے نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ۲۳ سالہ زندگی میں کسی نے اس کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔ وہ مزاجاً ہنس مکھ تھا کبھی اس کی تیوری چڑھی ہوئی نہیں دیکھی گئی۔ وہ ایک ہنستا مسکراتا چہرہ رکھتا تھا۔ وہ سوڈھی جے والی سے نوشہرہ (وادی سون سیکسر) ٹیوشن پڑھنے جاتا تو بس والے کو کرایہ ادا کر کے جاتا۔ جب اس کے کلاس فیلو یا دوسرے نوجوان کہتے کہ یار نصر اللہ! تو بھی تو سٹوڈنٹ ہے کرایہ کیوں دیتا ہے؟ وہ کہتا کہ نہیں بھائی! میں تو کسی کا خواہ مخواہ حق غصب نہیں کروں گا۔ وہ اپنے ضلع کا بہترین مقرر تھا۔ ۱۹۸۷ء میں ملک نصر اللہ اعوان نے سرگودھا بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال ۱۴ اگست کو لاہور میں صوبائی سطح پر منعقد ہونے والے تقریری مقابلے میں اس نے سیکنڈ پوزیشن حاصل کی۔ اس نے اپنا وقت نہایت اچھے انداز میں صرف کیا اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔ ملک نصر اللہ خان نے یکم اپریل ۱۹۸۸ء کو جے سی بی جائن کر لی۔ اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں کورس نمبر ۲۴ کے لیے داخلہ لے لیا۔ ایف

ایس سی کر لینے کے بعد اس نے پی ایم اے کے لانگ کورس نمبر ۸۵ کے لیے ایڈمیشن لے لیا۔ اور پھر ۱۵ اپریل ۱۹۹۲ء کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول سے پاسنگ آؤٹ کے بعد ۲۳ کیولری (ایف۔ ایف) آرمڈ کور کھاریاں چھاؤنی میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ رپورٹ کی۔ صرف پانچ ماہ کے بعد لیفٹننٹ ہو گئے۔ یہ ان کی اعلیٰ کارکردگی اور انتھک محنت کا خوبصورت ثمر تھا۔ پھر انھوں نے سکول آف آرمڈ نوشہرہ چھاؤنی (سرحد) میں نوجوان افسر کورس نمبر ۱ے کیا۔ ۹ جنوری ۱۹۹۳ کو شمولیت اختیار کی۔ لانگ کورس ۸۵ میں اعلیٰ کارکردگی کے مظاہرہ پر ملک بھر میں کپتان بننے والے پہلے جوان تھے۔ کیپٹن بننے پر ملک نصر اللہ خان اعوان کو اپنی یونٹ کا ایجوٹنٹ بنا دیا گیا۔ وہ ہمہ وقت باوضو رہنے کا عادی نوجوان تھا اور فکر آخرت اس کے سینے میں راسخ تھی۔ شہید سیاچن کے والد گرامی ملک عصمت اللہ اعوان کہتے ہیں کہ نصر اللہ خان میرا اچھا دوست بھی تھا۔ ایک دفعہ رات کو دس بجے کے قریب وضو کر رہا تھا میں نے کہا کہ "تم فوجیوں کے نماز کے لیے اپنے الگ اوقات ہوتے ہیں؟ یعنی اتنی تاخیر سے نماز کیوں پڑھ رہے ہو؟ اس نے بات کر کے مجھے حیران کر دیا۔" شہید نے جواب دیا کہ "ابا جی! نماز تو میں نے پڑھ لی ہے۔ یہ تو بس وضو کر رہا ہوں میں اکثر وضو سے رہتا ہوں۔ ایک تو یونیفارم میں وضو کرنا قدرے مشکل ہو جاتا ہے اگر وضو ہو تو وقت ہوتے ہی نماز پڑھ لی جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ موت کا کیا بھروسہ؟ اگر پیغام اجل آ جائے تو میں چاہتا ہوں کہ کم از کم مجھے باوضو ہونا چاہیے......" پاکستان اور بانی پاکستان سے اسے محبت تھی وہ ایک غیرت مند نوجوان تھا۔ ایک دفعہ کسی "منہ پھٹ" نے حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق اپنے خود ساختہ خیالات کا اظہار کرنا چاہا۔ تو ملک نصر اللہ اعوان نے اس کے باوجود کہ نہایت کم عمر تھا بڑی جرات مندی سے کہا کہ...... "......اگر ایسی باتیں کرنا چاہتے ہو تو پھر یہاں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں، بارڈر پار چلے جاؤ......"

کیپٹن نصر اللہ، شوق شہادت سے سرشار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہمیشہ شہادت کی آرزو کی۔ سیاچن جانے سے پہلے اپنے ایک دوست حوالدار محمد حسین کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ اپنی یونٹ میں شہداء کے ناموں والے بورڈ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ "محمد حسین! ایک دن ہمارا نام بھی اس بورڈ پر آ جائے گا۔ انشاء اللہ"۔ سیاچن روانگی سے دو روز قبل ۱۴ مارچ ۱۹۹۵ء کو اس نے اپنی ڈائری پر لکھا...... "......انشاء اللہ کل، پرسوں سیاچن روانہ ہو جاؤں گا میں اپنی یونٹ کا وقار مزید بلند کرنے

کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کروں گا۔ کیونکہ ۲۳ سی (ایف، ایف) میری محبت وعقیدت کا مرکز ومحور ہے۔ میں جہاں بھی رہوں گا میری اپنی یونٹ سے محبت بدستور قائم وبرقرار رہے گی۔ میری رب کریم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ میری یونٹ کے پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھے۔ میرے لیے یہ امر نہایت قابل فخر ہوگا اگر میں اپنی زندگی اپنے رب اور وطن عزیز کے جھنڈے (اللہ تعالیٰ اور پاکستانی پرچم) پر نثار کر دوں۔ جس پر میرے یونٹ ۲۳۔سی (ایف ایف) کا مونوگرام نقش ہے۔''......

۱۶ مارچ ۹۵ کو وہ سیاچن کے لیے روانہ ہوا۔ روانگی سے قبل اپنے تمام دوستوں، افسروں، سپاہیوں سے ملا اور برملا کہا کہ '' آج ہماری آخری ملاقات ہے اور مجھے خوشی ہوگی اگر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤں۔ اور پھر علامہ اقبال کی وہ بات سچ ثابت ہوئی کہ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، قوت پرواز مگر رکھتی ہے۔

اور وہی ہوا۔ تم نے جو کہا وہی تقدیر کا لکھا نکلا

۴/۳ مئی ۱۹۹۵ء کی درمیانی شب یہ شیر دل نوجوان اپنی منزل مراد پر پہنچ گیا۔ اس وقت شہید کی سروس تین سال مکمل ہو چکی تھی مگر شہید کی اعلیٰ کارکردگی جرات وبہادری، انتھک محنت، خلوص وایثار اور جذبہ حب الوطنی کے پیش نظر پاک آرمی نے اس میں دو سال مزید توسیع کر دی۔ ۷ مئی ۹۵ کو چکلالہ ائیر پورٹ پر شہید کی نماز جنازہ پڑھی گئی جس میں جی ایچ کیو کے اعلیٰ افسران اور جرنیلوں نے بھاری تعداد میں شرکت کی۔ اسی روز شام ۵ بجے ہیلی کاپٹر کے ذریعے اسے آبائی گاؤں سوڈھی جے والی (وادی سون سکیسر) لایا گیا۔ جہاں شہید کے یونٹ کے افسران جوانوں، جی او سی سرگودھا کے یونٹ، ضلعی انتظامیہ اور شہید کے والد ملک عصمت اللہ اعوان نے پورے اعزاز کے ساتھ وصول کر کے نماز جنازہ کے بعد شام سات بجے سپرد خاک کر دیا اور۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

شہید کیپٹن محمد نصر اللہ خان اعوان کے آخری دیدار کے لیے ملک بھر سے اس کے دوست احباب بھاری تعداد میں موجود تھے ۲۳ کیولری کی نسبت سے شہید کو ۲۳ کے ہندسے، سے بھی بڑی محبت تھی اور ۲۳ سال کی عمر میں جنت سدھار گیا۔ ۱۹۸۸ء سے وہ جوہر آباد میں قیام پذیر تھے اہل شہر نے بھی کیپٹن

نصر اللہ کی جدائی کو شدت سے محسوس کیا۔ شہید کے والدین نے کمال صبر واستقامت کا عملی مظاہرہ کیا۔

دنیا کے بلند ترین جنگی محاذ سیاچن گلیشیر پر کیپٹن ملک نصر اللہ خان اعوان کی شہادت سے جوہر آباد اور وادی سون کا سر فخر سے بلند ہو گیا ہے ضلعی انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ شہید کی کوئی یادگار قائم کرتی۔ شہید کے آبائی گاؤں ''سوڈھی جے والی'' کو سرکاری طور پر ''شہید آباد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ کیپٹن نصر اللہ کے نام سے جوہر آباد میں کوئی لائبریری، ہسپتال یا درس گاہ بنائی جاتی۔ یہ تو خدا بھلا کرے ہمارے دوست محمد نعیم سدھو ایڈووکیٹ کا، کہ جنھوں نے گہری دلچسپی سے شہید کی یاد میں ٹورنامنٹ کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ آل پنجاب نصر اللہ شہید ہاکی ٹورنامنٹ منعقد ہوئے۔ جوہر ہاکی کلب جوہر آباد میں اساسی اور کلیدی کردار ادا کیا۔ ریاض صدیق ملک، الطاف چغتائی، شوکت بھٹی، ہارون صدیق، سید سبط الحسن ضیغم اور حسن اختر جوئیہ نے چند مضامین لکھے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ضلعی انتظامیہ بالخصوص اور موجودہ فوجی حکومت بالعموم کیپٹن نصر اللہ خان اعوان اور ان ایسے دیگر شہداء کے حوالے سے خصوصی طور پر تاریخی کام کروائے تاکہ نئی نسل میں جذبہ جہاد اجاگر ہو اور وہ اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیارے پاکستان کے لیے جینے اور کٹ مرنے کی حقیقی آرزو سے سرشار ہو جائیں۔ اس سے یقیناً ہمارا قومی مفاد وابستہ ہے ورنہ شہید کو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے جس کا اہل دنیا کو شعور اور ادراک نہیں ہوتا۔ شہداللہ کے ہاں مسرور ہیں رزق پاتے ہیں اور جنت میں رہنے کے علاوہ دیدار الٰہی کی عظیم نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ رب کریم ہمارے شہید بھائی کیپٹن محمد نصر اللہ اعوان کے والدین کو صبر جمیل اور اجر عظیم سے نوازے اور شہید کی قبر کو اپنے خصوصی انوار سے معمور فرمائے۔ آمین۔

سایۂ اسم محمد ﷺ ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں — دربدر کو سایۂ اسم محمد ﷺ چاہیے
میں بتا دوں اس نگر کو سب مسائل کا علاج — اس نگر کو سایۂ اسم محمد ﷺ چاہیے
جبر کے موسم میں بھی شاعری کا حوصلہ — سایۂ اسم محمد ﷺ کی پناہوں میں ہوا
یہی ایمان ہے میرا، میرے آقا کے دیار — زندگی ہے تو تیرے کوچہ و بازار کے ساتھ
ان فقیروں کو دیا وقت نے شاہوں کا مقام — جو بھی وابستہ ہوئے آپ کے دربار کے ساتھ

شوکت ہاشمی شہید...... ایس پی...... پنجاب پولیس

ایک تعارف

چھپڑ شریف میں

بزم انوار رضا، انوار رضا لائبریری کا قیام

تحریر۔ صاحبزادہ حافظ طاہر سلطان قادری (وادی سون) خوشاب
صدر: بزم انوار رضا، چھپڑ شریف

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے یہ انسان کے تمام احوال اور معاملات کے متعلق مکمل رہنمائی کرتا ہے انسان کی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جس کے متعلق دین اسلام میں رہنمائی موجود نہ ہو۔ قابل صد تحسین ہیں وہ لوگ، جنہوں نے اسلام کے زریں اصولوں کو اپنایا، اپنے خالق و مالک کے ارشادات کو سینے سے لگایا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے ہمہ جہت قربانیاں دیں طاغوتی قوتیں ہر دور میں اسلام کو نیست و نابود کرنے اور مسلمانوں کو صفحہء ہستی سے مٹانے کے لئے مصروف عمل رہیں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دوہرے محاذ قائم کئے (بالخصوص عیسائیوں نے) ایک طرف مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کی اور دوسری طرف علمی و مذہبی فتنے بپا کئے۔ مسلم قوم کے فرزندوں نے ان کو دونوں محاذوں پر آڑے ہاتھ لیا۔

ایک طرف جنگوں میں ان کو عبرتناک شکستیں دیں اور دوسری طرف ان کے علمی و فکری فتنوں اور ان کی افکار فاسدہ اور باطل عقیدوں کا شدید طریقے سے رد کیا۔ باطل قوتوں کے خلاف مسلمانوں نے دونوں طریقوں سے جہاد کیا تلوار کے ذریعے بھی اور قلم کے ذریعے بھی۔ مسلمان ہر لحاظ سے ہمیشہ ایک ترقی پذیر قوم رہی اندلس میں مسلمانوں کی حکومت کے ابتدائی دور میں صرف شہر قرطبہ میں 70 بڑی لائبریریاں تھیں اور بے شمار کتب فروشوں کی دکانیں تھیں اور ہلاکو خان نے جس وقت بغداد کو تاخت و تاراج کیا تو مسلمانوں کی لائبریریوں کو دریا میں پھینک دیا مسلمانوں کی کتب اس قدر کثیر تعداد میں تھیں کہ دریا پر کتابوں کا پل بن گیا اور کتابوں کی سیاہی سے دریا کا پانی گدلا ہو گیا۔ اس سے مسلمانوں کے تصنیفی کام کا پتہ چلتا ہے۔ بغداد، اندلس، بخارا، سمرقند وغیرہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کا ایک بہت بڑا

علمی و ادبی ورثہ ضائع ہو گیا تاہم بعد میں مسلمانوں نے اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا اور ہر شہر و قریہ میں تبلیغ اسلام کے لئے لائبریریاں بھی قائم ہوتی رہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی اسلام کی اشاعت کا سہرا علماء و مشائخ کے سر ہے۔

حضرت داتا گنج بخش، خواجہ معین الدین اجمیری، بابا فرید الدین گنج شکر اور سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین کی خدمات کو کون نہیں جانتا۔

ان بزرگوں کے علاوہ بھی ہماری تاریخ ایسے روشن کرداروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ملک و ملت کے لئے علمی، دینی اور سیاسی خدمات سرانجام دیں۔ جہاں دیگر بزرگان دین نے قوم و ملک کے لئے بے شمار خدمات سرانجام دیں وہاں چھپڑ شریف کے علماء و مشائخ کی خدمات بھی سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں خصوصاً انگریز حکومت کے دور میں جب مسلمانوں پر علمی قحط کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی دینی روایات کو مسخ کیا جا رہا تھا اور مسلمانوں کو تعلیمی سہولتوں سے محروم کیا جا رہا تھا اس وقت جن درسگاہوں نے مسلمانوں کی تعلیم اور تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا ان میں چھپڑ شریف کی درسگاہ بھی پیش پیش ہے۔ اس درسگاہ کی بنیاد حضرت مولانا قاضی سلطان محمود ناڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکھی بعد میں سلطان اعظم چھپڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر علماء چھپڑ شریف نے اس گلشن کی آبیاری کی حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے لوگ اس درسگاہ میں زیر تعلیم رہے۔

اسی طرح استاذ العلماء حضرت مولانا سید امیر اجمیری چھپڑوی نے اجمیر شریف میں فیض علم تقسیم کیا کئی سال تک دارالعلوم معینیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے حضرت مولانا سردار احمد قادری، جن کو لوگ محدث اعظم پاکستان کے نام سے جانتے ہیں نے بھی حضرت مولانا سید امیر اجمیر چھپڑوی کے پاس زانوئے تلمذ طے کئے بزرگان چھپڑ شریف کی شاندار لائبریریاں آج بھی ان کے علمی و ادبی ذوق کی گواہی دے رہی ہیں سب سے پہلے حضرت قاضی سلطان محمود ناڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ جب تونسہ شریف میں حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درسگاہ سے تحصیل علم کے بعد واپس چھپڑ شریف تشریف لائے تو مدرسہ قائم کیا اور لائبریری کی بھی بنا رکھی اس طرح چھپڑ شریف میں سب سے پہلی لائبریری وجود میں آئی اس کے بعد حضرت قاضی امیر عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو مزید ترقی اور فروغ

دیا بعد ازاں اور حضرت مولانا سید امیر اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی شاندار لائبریری قائم کی جس میں عربی تفاسیر سے لیکر درس نظامی اور دیگر ہر موضوع کی کتب موجود ہیں۔ اب ہم نے اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے اور اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھنے کا عزم کیا، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض کو عام کرنے کے لئے جوہر آباد میں محترم ملک محبوب الرسول قادری نے بزم انوار رضا اور انوار رضا لائبریری قائم کی جس کا افتتاح مولانا محمد عبدالستار خان نیازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے بھی انہی سے مشاورت وراہنمائی کے بعد بزم انوار رضا اور انوار رضا لائبریری کی بنیاد رکھی چنانچہ ربیع الاول کے مبارک ماہ میں ۱۸ جون ۲۰۰۰ بروز اتوار، بزم انوار رضا چھپڑ شریف کی بنیاد رکھی راقم حافظ محمد طاہر سلطان قادری کو صدر، صاحبزادہ میاں ضیاء الدین قادری (چھپڑ شریف) کو نائب صدر منتخب کیا علاوہ ازیں بزم انوار رضا چھپڑ شریف کے ارکان میں میاں محمد عنصر حیات، حافظ میاں محمد صفدر، حافظ میاں نور محمد، محمد سلطان، حافظ محمد ذیشان، حافظ محمد عامر، میاں محمد کاشف شامل ہیں معاونین میں حکیم محمد اقبال، حکیم محمد مشتاق، حافظ فرید احمد شامل ہیں جبکہ اس کی سرپرستی راقم الحروف کے والد گرامی حضرت مولانا محمد اکبر فاضل بھیرہ سجادہ نشین چھپڑ شریف فرما رہے ہیں۔

پھر یکم جنوری ۲۰۰۱ میں انوار رضا لائبریری قائم کی۔ قدیم کتب کا بے بہا خزانہ پہلے سے موجود تھا چنانچہ جہاں یہ قدیم کتب اس لائبریری کی زینت ہیں وہاں ہم نے کم و بیش ۳۰۰ کتب کا اضافہ کیا ہے جن میں تفاسیر واحادیث سے لیکر تاریخی ناولوں تک ہر قسم کی کتب شامل ہیں۔ آجکل ہمارا نوجوان طبقہ، اسلام اور تعلیمات اسلامی سے بہت دور جا چکا ہے ایسے میں ان لوگوں سے اسلامی کتب کے مطالعہ کی توقع عبث ہے۔ ہم نے اس کا یہ طریقہ کار سوچا ہے کہ دلچسپ کتابیں سٹوریز، تاریخی ناول اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ ان کو ہر شخص شوق سے پڑھتا ہے۔ اس طرح لوگوں میں آہستہ آہستہ اسلامی مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور تاریخی ناول پڑھنے سے بھی لوگوں میں اسلامی شعور بیدار ہو جاتا ہے بالخصوص نسیم حجازی کے تاریخی ناول نوجوانوں کی اصلاح اور ملی شعور بیدار کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد فقط اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضا اور دین اسلام کی ترویج واشاعت ہے اللہ ہمیں استطاعت عطا فرمائے، دین کا پکا سچا خادم بنائے آمین۔

شہباز طریقت حضرت خواجہ محمد اکبر علی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ

تحریر: ملک محبوب الرسول قادری

حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ...... زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو...... جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ...... امارت کو غربت سے پہلے...... صحت کو بیماری سے پہلے...... اور...... فراغت کو مشغولیت سے پہلے...... غنیمت جانو...... اولیائے امت اور علمائے ربانیین نے ہمیشہ یہ زریں اصول اپنے پیش نظر رکھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پاکان امت کی زندگیوں میں کوئی وقت ضائع نہیں ہوا۔ وہ وقت کا صحیح اور حقیقی مصرف جان گئے...... اور انھوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور محبت مصطفیٰ ﷺ سے سرشاری میں گذار کر مقصود حقیقی کو پالیا۔ ایسے ہی پاکباز لوگوں میں حضرت خواجہ محمد اکبر علی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں...... آپ کی ولادت ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ بمطابق ۲۱ فروری ۱۸۹۷ء ریاست کشمیر میں تحصیل راجوری کے خوبصورت گاؤں کوٹلی کالابن میں ایک خدا رسیدہ بزرگ حضرت خواجہ محمد شہباز سلطان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد شہباز سلطان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانے کے ایک درویش تھے جو علم جفر میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان کی پشین گویاں صادق ہوتیں اور خدمت خلق ان کا معمول تھا نومولود فرزند کو دیکھتے ہی انھوں نے علم جفر کی روشنی میں فرمایا کہ یہ لڑکا قوم کا سردار ہوگا، باکمال درویش ہوگا اور اکثر سفر میں رہے گا...... یہ پیشن گوئی حضرت خواجہ محمد اکبر علی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سو فی صد سچ ثابت ہوئی۔ مزاجاً خاموش طبع تھے۔ صاف ستھرا رہنا پسند کرتے تھے۔ بچپن ہی سے حیا کی چادر اوڑھ لی جس کے نتیجہ میں لڑکپن اور جوانی بھی قابل رشک گذری۔ آپ کے لڑکپن کے زمانے ہی میں والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تو بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد عبداللہ سلطان نے سرپرستی کی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ مختلف علاقوں کے سفر کیے چونکہ بچپن ہی سے جستجوئے حق کی نعمت نصیب تھی اس لیے جہاں بھی رہے روحانیت اور معرفت الٰہی کے حصول کی خواہش دامن گیر رہی۔ اسی سلسلہ میں حضرت شاہ دولہ رحمہ اللہ تعالیٰ (گجرات) کے سجادہ نشین اور اپنے زمانہ کے مشہور بزرگ حضرت پیر سید محمد جعفر علی شاہ نقشبندی کی خدمت میں حاضری دی تو انھوں نے آپ کی سعادت مندی کو ملاحظہ

فرماتے ہوئے شرف بیعت سے نوازا، چند دنوں میں منازل طے کروا دیں اور تحصیل مراتب و مکاشفات کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرما دیا۔ آپ کو حضرت کا فیض اس قدر نصیب ہوا کہ جب آپ کے پیرو مرشد حضرت پیر سید محمد جعفر علی شاہ نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری وصیت فرمائی تو جملہ مریدین اور ارادت مندوں کو ہدایت کی کہ آئندہ روحانیت کے میدان میں راہنمائی کے حوالے سے آپ سے اکتساب فیض کریں گویا آپ اپنے مرشد کے خلیفہ اعظم اور ان کے فیضان کے امین بنے اور مخلوق خدا کی راہنمائی و دستگیری کرتے رہے۔ ان کے انداز میں شیخ کا رنگ غالب تھا اور خدمت کا ذوق وافر مقدار میں موجود تھا۔ اسی دوران ایک رات خواب میں قطب دوراں حضرت خواجہ محمد سلطان عالم صدیقی ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے سرفراز ہوئے تو ملاقات کے لیے بے چین ہو گئے۔ تلاش بسیار کے بعد موجودہ آزاد کشمیر میں میرپور کے علاقہ چیچیاں شریف حاضری ہوئی حضرت خواجہ سلطان عالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے بڑی فراخدلی سے صرف ایک ہی ہفتہ میں سلوک مجددیہ کی منازل طے کروا دیں۔ اور فیضان مجددیہ سے مالا مال کر دیا۔

اسی لیے اہل نظر کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ محمد اکبر علی نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ فیوضات نقشبندیہ مجددیہ کے مجمع البحرین ثابت ہوئے...... حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی چشتی نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ۔

اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا محبوب بن جائے تو اسے چاہیے کہ ظاہر اور باطن میں شریعت کی متابعت کرے...... حضرت خواجہ محمد اکبر علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی اتباع سنت اور پابندی شریعت میں گذاری۔ سادگی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ انتہائی مخلص اور حد درجہ محنتی مزاج کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کا خوف انہیں کبھی دامن گیر نہ ہوا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اسلحہ تھا۔ ہر ایک کو نفع پہنچانے کی فکر انہیں ہمیشہ دامن گیر رہی۔ وہ عبادت گذار اور شب زندہ دار انسان تھے۔ انہی کمالات اور خصوصیات کے پیش نظر حضرت خواجہ سلطان عالم صدیقی ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فوج کی ملازمت چھوڑ دو۔ تم شہباز طریقت بلکہ شہباز گر ہو۔ پنجاب جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کا عرفان عطا کرو۔ آپ نے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے پاکپتن شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ اور محلہ پیر کریاں میں سکونت اختیار کر کے روحانی فیضان کی تقسیم شروع کر دی۔ ہزاروں گمگشتگان راہ کو ہدایت کا نور نصیب ہوا اور انھوں نے باطنی فیوضات سے گوہر مراد حاصل کیے۔ آپ اپنے متعلقین، مریدین،

متوسلین اور ارادت مندوں کو ہمیشہ ہدایت کرتے کہ زندگی کے ہر موڑ میں شریعت مصطفوی ﷺ سے راہنمائی حاصل کی جائے کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے بے حد محبت کرتے تھے ملفوظات و مکتوبات مجدد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے اسی مقصد کے لیے انھوں نے ایک دینی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کا خیال تھا کہ چونکہ شرک اور الحاد کے خلاف حضرت مجدد الف الثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتھک محنت کر کے شرک و بدعات کے ایوان میں زلزلہ برپا کر دیا تھا کہ گستاخان رسول کے گھروں میں چودھویں صدی ہجری کے مجدد برحق اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صف ماتم بچھا دی تھی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرنے کے لیے مثالی کردار ادا کیا تھا اس لیے ان دونوں بابرکت ہستیوں سے اکتساب فیض کرتے ہوئے اس مادر علمی کو جامعہ نقشبندیہ رضویہ، پاکپتن کے نام سے موسوم کیا جائے۔ اس درس گاہ کا مقصد اقامت دین اور اشاعت اسلام ہے جو آپ کے فرزند اکبر حضرت پیر طریقت علامہ صاحبزادہ محمد نقشبند مدظلہ العالی کی براہ راست نگرانی اور نظامت میں چل رہا ہے اور علم دین کے فروغ میں اپنا مثالی کردار ادا کر رہا ہے۔ حضرت پیر طریقت صاحبزادہ محمد نقشبند مدظلہٗ ایک مستند عالم دین اور باعمل شخصیت کے مالک ہیں۔ چہرے پر جلال و جمال کا پہرہ رہتا ہے بہترین خطیب بھی ہیں۔ اور خدمت دین اسلام کے جذبے سے سرشار ہیں۔ جبکہ دوسرے فرزند حضرت صاحبزادہ ابوالحسن فقیر محمد بھی آپ کے خلف الرشید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد اکبر علی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقریباً پچیس خلفاء کرام فروغ طریقت میں مصروف ہیں۔ آپ نے ۵ شوال المکرم ۱۳۹۱ھ بمطابق ۲۴ نومبر ۱۹۷۱ء بروز بدھ گیارہ بجے صبح رحلت فرمائی اور آستانہ عالیہ پیر کریاں شریف پاکپتن شریف میں سپرد خاک ہوئے۔ نہایت خوبصورت اور پرشکوہ روضہ شریف آج بھی مرجع خلایق ہے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے۔

آپ کے سجادہ نشین حضرت علامہ صاحبزادہ محمد نقشبند مدظلہٗ کو نارووال میں ایک ملاقات کے دوران تحریک پاکستان کے نامور مجاہد اور اپنے دور کے ولی کامل حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ لائل پور (فیصل آباد) جاؤ اور وہاں خلیفہ اعلیٰ حضرت

محدث اعظم پاکستان شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرو۔ تعمیل ارشاد میں فیصل آباد حاضری دی اور دورۂ حدیث شریف کی سعادت حاصل کی۔ حضور محدث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حضرت صاحبزادہ محمد نقشبند مدظلہٗ سے کمال شفقت فرماتے۔ کلاس کے دوران اپنے دائیں جانب بٹھاتے۔ اور مولانا عبدالرحمان حاجی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نعتیہ کلام آپ سے سنتے اور اس کے بعد درس شروع فرماتے۔ آپ کے ہم جماعت طلبہ میں عصر حاضر کے نامور اور مقتدر علماء کرام شامل تھے چیدہ چیدہ حضرات میں مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (لاہور) مولانا مفتی محمد حسین قادری (حیدر آباد، سندھ) مولانا صاحبزادہ غلام صدیق نقشبندی مرحوم (چورہ شریف)، مولانا مفتی سعید احمد نقشبندی، سابق خطیب داتا دربار لاہور اور پیر طریقت مبلغ اسلام مولانا پیر علاؤ الدین صدیقی نیریاں شریف (آزاد کشمیر) جیسے اصحاب علم و دانش شامل ہیں۔ حضرت محدث اعظم پاکستان کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنے مرکزی دارالعلوم نقشبندیہ رضویہ کو کامیابی کے ساتھ چلایا بلکہ اس کی متعدد شاخیں مختلف علاقوں میں قائم کیں۔ اور سینکڑوں علماء آپ کے مرکز علم سے فارغ التحصیل ہو کر ملک اور بیرون ملک خدمت دین میں مصروف ہیں آپ کے قائم کردہ دینی اداروں میں جامعہ معصومیہ رضویہ پیر ووال (خانیوال) جامعہ سلطانیہ اکبریہ سمن آباد (فیصل آباد) جامعہ نقشبندیہ محلہ غوثیہ نارووال، جامعہ مجددیہ، حاجی چاند (اوکاڑہ) اور جامعہ سلطانیہ نقشبندیہ ۲۶ ایس پی پاکپتن شریف شامل ہیں۔ بلاشبہ ایسے ہی باعمل ارباب علم و دانش ہی سے دین کی تبلیغ کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

ے خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

جمال سیرت احمد دکھاؤں دنیا کو — تمام عمر اسی روشنی کو عام کروں

آپ نے وقت کی رفتار بدل کر رکھ دی — وقت چلتا ہے مگر آپ کی رفتار کے ساتھ

زندگی آج بھی پا سکتی ہے معراج مگر — آپ کے حسن عمل، رفعت کردار کے ساتھ

خوب رکھتے ہیں خبر خواجہ بطحا ان کی — جو بھی آتے ہیں یہاں خواہش دیدار کے ساتھ

کلام ...... شوکت ہاشمی شہید ...... پنجاب پولیس

قند مکرر

خانقاہ رضویہ بریلی شریف میں ۲۷ جولائی ۱۹۹۵ء، ایک تاریخی دن

ہندو بنیئے سے نفرت کا ایمان افروز واقعہ

تحریر: ملک محبوب الرسول قادری

ہندوستان میں مسلمانوں پر ہندو بنیئے کے مظالم عروج پر ہیں لیکن مسلم برادری مذہبی وملی غیرت سے سرشار ہے اور ان مظالم کا مردانہ وار مقابلہ کر رہی ہے اسلام دشمن قوتوں سے ان کی قلبی نفرت کو محسوس کرنے کے لئے گذشتہ دنوں پیش آنے والا وہ واقعہ کافی ہے جو بھارتی وزیر اعظم نرسیما راؤ کی طرف سے خانقاہ رضویہ بریلی شریف پر چادر چڑھانے اور ایک کروڑ روپیہ کا نذرانہ پیش کرنے کی غرض سے حاضری کے موقع پر پیش آیا مسلمانوں نے نہ صرف ایک اسلام دشمن وزیر اعظم کی اس حاضری کے پروگرام کو ناکام بنایا بلکہ اس کے خلاف زبردست مظاہرے کئے ان تفصیلات کو جاننے کے لئے ہم نے روزنامہ "ہندوستان" بمبئی ۲۹ جولائی ۱۹۹۵ء اور ہفت روزہ "اخبار نو" نئی دہلی ۷ تا ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء سے استفادہ کیا ہے بھارت میں بسنے والے غیور وجسور مسلمانوں کے جذبہ حریت کی یہ روداد، اسلامیان پاکستان کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

اخبارات کے ذریعے یہ خبر بریلی شریف میں پھیلی کہ بھارتی وزیر اعظم اپنے امکانی دورے میں خانقاہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ پر چادر چڑھائیں گے اور بریلی میں سات گھنٹے قیام کریں گے اس خبر کے سنتے ہی بریلی اور اس کے مضافات میں مسلمانوں میں زبردست بے چینی پھیل گئی اور شہر کی مختلف سیاسی وسماجی تنظیموں نے بھارتی وزیر اعظم کے اس اقدام کی زبردست مخالفت کی جوں جوں وقت قریب آتا گیا مخالفت میں شدت پیدا ہوتی گئی حتیٰ کہ ضلعی انتظامیہ نے اپنے ذرائع سے مرکزی حکومت کو مطلع کر دیا کہ وزیر اعظم کا دورہ بریلی قطعاً مناسب نہیں ہے کیونکہ مسلمان اس کی پرزور مخالفت کر رہے ہیں مگر ضلعی حکام کی تشویش کو نظر انداز کر کے حکام بالا نے وزیر اعظم کی ۲۱ جولائی

۱۹۹۵ء کو دورے کی تصدیق کرتے ہوئے وزیر اعظم کی "درگاہ اعلیٰ حضرت" پر چادر پوشی کے اہتمام کا اعلان کر دیا۔

دراصل وزیر اعظم کے دفتر میں خواجہ افتخار اور سیکرٹری کے این شرما کو بریلی کے بعض سرکاری درباری مولویوں نے یہ یقین دلایا تھا کہ اعلیٰ حضرتؒ سے سنی مسلمانوں کو بے پناہ عقیدت ہے اور ان کے عقیدت مند ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں لہذا راؤ کے دورہ سے ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی راؤ سے ناراضگی کافی حد تک کم ہو جائے گی اور آنے والے الیکشن میں سنی مسلمانوں کی اکثریت راؤ کے ساتھ مل کر ان کو پھر برسر اقتدار آنے میں مدد دے گی اسی جھانسہ میں خواجہ افتخار اور کے۔ این شرما نے راؤ کے بریلی شریف کے دورے کے لئے انتظامات کروائے۔

ادھر آل انڈیا مُسلم ایکشن کمیٹی کے قومی صدر مولانا منان رضا خان نے جو اعلیٰ حضرت کے پوتے ہیں اور "جامعہ نوریہ رضویہ" کے مہتمم بھی ہیں نے نرسیما راؤ کے اس دورے کی زبردست مخالفت کی اور فیصلہ کیا کہ وہ بھارتی وزیر اعظم کے ناپاک قدم درگاہ اعلیٰ حضرت پر نہیں آنے دیں گے آپ کی اس آواز پر بریلی کے مسلمان متحد و متحرک ہو گئے۔ مسلم مجلس، مسلم لیگ، آل انڈیا نیشنل لیگ، سنی جمعیت علماء اور دیگر انجمنوں نے آل انڈیا مسلم ایکشن کمیٹی کے قائدین کے ساتھ اجتماعی پریس کانفرنس میں راؤ کو درگاہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وہ ۲۷ جولائی کو درگاہ تک آنے والے راستوں کو بند کر دیا جائے گا چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق مسلمانوں نے شاندار اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا جس کے سبب بھارتی وزیر اعظم اور اس کے کسی نمائندے کو درگاہ تک آنے نہ دیا گیا اور حکمرانوں میں سے کوئی بھی مزار مقدس پر حاضری نہ دے سکا اگر چہ وزیر اعظم کے چند مشیروں نے یہ تجویز دی کہ نرسیما راؤ کی جگہ ان کے ساتھ آئے ہوئے مسلمان وزیر مملکت سلمان خورشید کو مزار شریف پر چادر پوشی کے لئے بھیج دیا جائے مگر ادھر مولانا منان رضا خاں اور کمیٹی کے نیشنل جنرل سیکرٹری ڈاکٹر معروف احمد نوری کی قیادت میں مسلمانوں نے مزار اعلیٰ حضرت کو اندر اور باہر چاروں طرف سے گھیر لیا اور مزار تک پہنچنے والے تمام راستے بند کر دیئے گئے اور مسلمانوں نے اعلان کیا کہ اب وزیر اعظم یا اس کا کوئی نمائندہ ہماری لاشوں سے گذر کر مزار تک پہنچ سکتا ہے۔ ضلعی انتظامیہ کے حواس باختہ ہو گئے ادھر

سرکٹ ہاؤس میں نرسیما راؤ نے علماء اسلام سے خطاب کرنے کے لئے جو پروگرام بنایا تھا وہ بھی فلاپ ہو چکا تھا کیونکہ مولانا توصیف رضا خاں قادری اور مولانا توقیر رضا خاں قادری کے عدم تعاون کے باعث علماء کرام نے سرکٹ ہاؤس جانا پسند نہ کیا لہذا سرکٹ ہاؤس میں جہاں نو سو علماء کرام کے بیٹھنے کا انتظام تھا وہاں ۵۰ علما بھی نہ پہنچے لہذا علمائے کرام کے نام پر دکانداروں اور دیگر افراد کو وہاں لے جایا گیا پھر بھی صرف ۲۷۹ لوگ جلسہ گاہ میں گئے۔

جن کو وزیر اعظم نے بڑی بے دلی سے خطاب کیا وزیر اعظم نے مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے پہلی بار کسی میٹنگ میں اعلان کیا کہ بابری مسجد کی شہادت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے یہ صرف اتر پردیش کی بھاجپائی حکومت کی وجہ سے ہوا ہے۔

اگر چہ بعض سرکاری لوگوں نے سرکٹ ہاؤس میں راؤ کو درگاہ پر حاضری کے لئے کہا مگر خفیہ پولیس اور ضلعی انتظامیہ کے افسران نے ہنگامی حالت میں وزیر اعظم کو درگاہ شریف پر نہ جانے کا مشورہ دیا ادھر خانقاہ شریف اور درگاہ اعلیٰ حضرت کو گھیرے میں لے کر مسلمان۔ نعرہ تکبیر، اللہ اکبر، نعرہ رسالت۔ یا رسول اللہ۔ کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ اس وقت زبردست مشتعل تھے جب سرکٹ ہاؤس سے یہ خبر آئی کہ وزیر مملکت خارجہ سلیمان خورشید، وزیر اعظم کی جگہ چادر پوشی کریں گے اور ایک کروڑ روپے کی امداد بھی ساتھ لائیں گے تو آل انڈیا مسلم ایکشن کمیٹی کے نیشنل جنرل سیکرٹری ڈاکٹر معروف احمد نوری نے مسلمانوں کے پرزور مطالبہ پر درگاہ اعلیٰ حضرت پر تالہ ڈال دیا اور درگاہ تک پہنچنے والے تمام راستے مقفل کر دیئے یہ نرسیما راؤ سے نفرت اور بے زاری کی انتہا تھی جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا چنانچہ نتیجتاً مسلمانوں کی زبردست مخالفت کے باعث وزیر اعظم کا ہیلی کاپٹر بریلی شریف سے اڑ کر چلا گیا اور اس کی کابینہ کے ارکان شرمندہ و افسردہ ہو کر واپس چلے گئے۔

اسی روز کی شام نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا منان رضا خاں اور ڈاکٹر معروف احمد خان نوری نے مسلمانوں کی اس عظیم فتح کو ہندوستان کے مسلمانوں کی غیرت مندانہ فتح قرار دیا اور اپنے خطاب میں فرمایا ساری دنیا کے مسلمان نرسیما راؤ کو بابری مسجد کی شہادت کا سب سے بڑا اور اصلی مجرم سمجھتے ہیں اور وہ

ہندوستان کے پہلے وزیراعظم ہیں جو خود بابری مسجد کے سانحہ میں شریک تھے بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانان ہند کا زبردست مالی جانی نقصان ہوا ہے۔ احمد آباد میں مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی اور پھر ان کو برہنہ منہ پریڈ کرا کر ویڈیو فلم بنائی گئی اور سارے ثبوتوں کے باوجود مجرموں کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی گئی۔ انہوں نے کہا "چرار شریف" کی درگاہ کو جلایا جانا بھی راؤ کی حکومت کے دور کا ایک بدترین کارنامہ ہے اتنے بڑے مجرم کو عالم اسلام کبھی بھی معاف نہیں کرے گا ہم نے ایسے ناپاک شخص کو درگاہ اعلیٰحضرت سے دور رکھ کر مسلمانوں کے جذبات واحساسات کی صحیح ترجمانی کی ہے ہماری اس شاندار تحریک نے مسلمانوں کو متحرک کر دیا ہے انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ملک کی دیگر خانقاہوں میں بھی بابری مسجد کے اس ہتیارے کو ہرگز نہ گھسنے دیں اور ہر جگہ اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔

خانوادہ رضویہ کی بزرگ شخصیت اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد اختر رضا خاں الازہری مولانا توصیف رضا خاں قادری اور مولانا توقیر رضا خاں علالت کے باعث اس موقع پر بریلی شریف میں موجود نہ تھے مسلم مجلس کی ضلعی وصوبائی شاخ نے بھی نرسیما راؤ کی مخالفت میں اس کے ۷۰ پتلے جلائے نیشنل لیگ اور مسلم لیگ نے نرسیما راؤ کے اعلیٰ حضرت کی درگاہ پر آنے کی کوشش کے خلاف مظاہرے کیئے اس ہنگامے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جو لوگ سرکٹ ہاؤس کے پروگرام میں شریک ہوئے ان کا عوام نے بائیکاٹ شروع کر دیا ہے خصوصاً کئی مساجد کے اماموں کو ان کے منصب سے ہٹا دیا گیا ہے اور دیگر شرکاء کا بھی شہر کے مسلمانوں نے سماجی بائیکاٹ کر دیا ہے۔

☆ اپنے اعمال میں استقامت پیدا کر، تا کہ تیرے اعمال کو دیکھ کر لوگ تیری پیروی کرنے لگیں یہیں سب سے اچھی تبلیغ ہے۔

☆ نیک حکمران وہ ہے جو اپنا ہر عمل خدا کی توفیق سے سرانجام دے۔

☆ غریب کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آ کیونکہ وہی تیری عزت کا پاسبان اور تیرا قدردان ہے۔

☆ ایسی بات محفل میں کبھی نہ کہہ جو تیرے تمسخر اور بے وقوفی کا باعث بنے۔

☆ ایسا عالم دین جو کسی حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرے وہ دین حق کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ایک درویش صفت مبلغ اسلام اور روحانی پیشوا

حضرۃ مولانا قاری غلام محی الدین مستانہ رحمہ اللہ تعالیٰ

تحریر: ملک محبوب الرسول قادری

حضرت مولانا قاری غلام محی الدین مستانہ (1932ء-1999ء) اسی عہد کے ایک مخلص، مختی صاحب علم وعرفان مجسم اخلاص وایثار اور پیکر حلم و نیاز شخصیت کے مالک پکے اور کھرے مسلمان تھے آپ کی ولادت 1932ء میں نہر اپر جہلم کے کنارے واقع دو آبادیوں پران اور کھوہار کے درمیان چھوٹے سے گاؤں موضع ورینہ میں ایک فقیر منش سادہ مزاج درویش حضرت قاری فیروز علی سلطان المعروف باباجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہوئی۔ والدہ ماجدہ بھی ایک نیک اور صالحہ خاتون تھیں ابتدائی تعلیم اور تجوید و قرآت میں عبور حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول جہلم سے 1950ء میں میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں کا ساتھ پاس کیا۔ اور پھر ایف اے، بی اے کی امتحانات پرائیویٹ دیئے محکمہ تعلیم کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور تدریس کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے محکمانہ امتحانات، جے وی، سی ٹی، اور محکمہ دیہات سدھار کے متعدد تربیتی کورسز مکمل کیے بچپن ہی میں اپنے والد گرامی کی معیت میں موہڑہ شریف حاضری دی اور غوث زمان حضرت خواجہ محمد قاسم صادق موہڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ میں بیعت کا شرف پایا۔ یہ غالباً 1943ء کا واقعہ ہے۔

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے پاکستان نیشنل کارپوریشن دیپال پور میں منیجر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی اس کے بعد فوج اور پھر کئی محکموں میں وقفے وقفے سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ لیکن مزاج میں استحکام تدریس ہی کے ذریعے پیدا ہوا۔ اس دوران آپ نے جامعہ حنفیہ رضویہ سرائے عالمگیر میں درس نظامی کی بعض کتب بھی پڑھیں آپ کو چھ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی جن میں دو مرتبہ حج کیا اور چار مرتبہ عمرہ شریف۔ احکامات شریعت کی پاسداری آپ کا معمول تھا، مہمان نوازی ان کا اصول تھا اور غریب پروری تو گویا طبیعت ثانیہ رکھتے تھے۔ حضرت

مولانا قاری غلام محی الدین نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کے مرشد برحق حضرت غوث زماں خواجہ محمد قاسم صادق موہڑوی علیہ الرحمہ نے مستانہ کے لقب سے ملقب کیا تھا ان کے زبان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب سے یہ لفظ ان کی زباں سے نکلا تب سے اب تک حضرت قاری صاحب ہر خاص و عام کے نزدیک مستانہ صاحب ہی مشہور ہوئے بلکہ آپ کے جاننے والوں کی بڑی تعداد آپ کے اصل نام سے ہی نا آشنا ہی۔

آپ اپنے چاروں بھائیوں صاحبزادہ قاری حبیب سلطان، صاحبزادہ قاری عبدالعزیز، صاحبزادہ قاری عبدالمجید اور صاحبزادہ قاری مرزا محمد اکرم بیگ کے ساتھ نہایت مشفقانہ طریقے سے پیش آتے حضرت مستانہ کو چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے گہرا انس اور والہانہ محبت تھی۔ اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جذبہ عشق رسول ﷺ سے بے حد متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے عموماً دینی جلسوں اور سالانہ اعراس کی تقریبات میں سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام سنتے اور نعت خوان کو امام بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجموعہ کلام، "حدایق بخشش" سے ہی نعت پڑھنے کی تاکید کرتے تھے۔ حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کو گہری عقیدت تھی اور قصیدہ غوثیہ شریف آپ کے وظائف میں شامل تھا تو آپ اس وظیفہ کریمہ کو مکمل کرنے کے لئے قصیدہ غوثیہ کے ساتھ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی منظوم شرح باقاعدگی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ تراجم قرآن کے حوالے سے ان کا گہرا مطالعہ تھا لیکن آپ ہمیشہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ قرآن "کنزالایمان" سے ہی اکتساب فیض کرتے تھے رضا فاؤنڈیشن لاہور نے جب "فتاویٰ رضویہ" کو جدید انداز میں شائع کرنا شروع کیا تو آپ نے پیشگی ادائیگی کر کے اپنے لیے فتاویٰ رضویہ کی جلدیں مختص کروائیں۔ ان باتوں سے حضرت مستانہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علم دوستی اور مسلکی محبت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے رزق حلال کے حصول اور دنیاوی معاملات میں آپ نہایت صاف ستھرے اصولوں کے حامل تھے۔ جائز کاموں میں ہر ایک سے تعاون کرتے اور حق دار کو اس کا حق دلانے کی خاطر مقدور بھر کوشش بھی بے لوث طور پر کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کو کبھی بھی نام و نمود کی خواہش دامن گیر نہ رہی شاہد جگر نے ایسے ہی مرد باخدا کے لئے کہا تھا کہ۔

وہ حلم ، وہ تواضع اور وہ طرز خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو لاکھ انسانوں کا انسان تھا

(جگر مراد آبادی)

مولانا قاری غلام محی الدین مستانہؒ ایک متوکل علی اللہ درویش تھے اور ہمیشہ اپنی دعا میں توکل ہی مانگتے آپ کی بیاض (خودنوشت) میں ایک دعا یوں درج ہے "میرے کریم اللہ! میرے خون کے منبع میں احساس پیدا فرمادے کہ میں تیری ذات اور تیرے محبوب ﷺ کے بغیر کسی اور کی طرف نہ دیکھوں اور نہ ہی کوئی سانس غفلت میں گذرے۔ آمین" اپنے ایک عزیز صوفی محمد افضل کو اپنے مکتوب گرامی میں ہدایت فرماتے ہیں کہ "دنیا کی پرواہ نہ کرو، رزق اللہ کے ذمہ ہے وہ اللہ کا کام ہے، بندہ قطعاً نہیں کرسکتا، بندے کے ذمے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے اس میں کوشش تیز تر کردینا مردوں کی صفت ہے، دونوں جہاں تو تمہارے لئے ہیں، تھوڑے پر اکتفا کرتے ہو؟ لوگوں کے لئے حقیقی فیض رساں بننے کے لئے کمر باندھو، اللہ کریم کی رحمت اور فضل شامل ہوں گے"

فرائض کی ادائیگی تو کجا آپ تو مستحبات اور سلسلہ نقشبندیہ قادریہ کے وظائف واوراد میں بھی سستی یا تاخیر کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب شدید تکلیف کے سبب ہسپتال میں زیر علاج تھے اور "دلائل الخیرات" کا وظیفہ مجبوراً نہ پڑھ سکے تو اپنے ایک دیرینہ دوست مولانا مفتی محمد علیم الدین مجددی کو ہسپتال بلالیا اور فرمایا کہ آپ دلائل الخیرات پڑھ کر سنائیں تاکہ میرے وظائف کا ناغہ نہ ہو۔

تبلیغ دین اور خدمت اسلام آپ کا مشن تھا۔ اور اسی حال میں آپ نے سفر آخرت بھی اختیار فرمایا۔ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ کے آخری عشرہ میں کوٹ بھائی خان (سرگودھا) میں حضرت صوفی غلام یسین رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس مبارک میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ علالت طبع اور نقاہت کے باوجود ایک گھنٹہ خطاب فرمایا جو اصلاحی اور نہایت پر مغز خطاب تھا۔ اسی دوران طبیعت نڈھال ہوگئی اور عارضہ قلب نے دورہ کیا۔ اور آپ ۲۳ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۰ اپریل ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ بعد از نماز عشاء اس دار فانی سے رحلت فرماگئے اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ اگلا جہاں سدھارا کہ۔

ہے رشک اک جہان کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

نماز جنازہ میں قریب وبعید سے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ دربار عالیہ فیروزیہ قاسمیہ ہیڈ رسول میں سپرد خاک ہوئے۔ آپ نے اپنے برادر اصغر حضرت صاحبزادہ مرزا محمد اکرم بیگ کو پانچ سال قبل اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور جبہ ودستار بھی عطا کردی تھی نامور عالم دین مولانا محمد جلال الدین قادری نے "مرشد یکتائے روزگار" سے آپ کا مادۂ تاریخ وصال استخراج کی ہے۔ رب کریم ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

عالمی تنظیم اہلسنت کی 3 سالہ شاندار کارکردگی

☆وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے گھر کے گھیراؤ کا اعلان کر کے ریڈیو اور ٹی پر ترجمہ کنزالایمان منظور کرالیا گیا۔ ☆17 اکتوبر 1999ء کو لاہور سے اسلام آباد تک تاریخ ساز کاروان نظام مصطفےٰ ﷺ چلایا گیا جس پر وحشیانہ تشدد ہوا اور اس طرح کلمہ حق کی آواز بلند کرنے کا حق ادا ہوا۔ ☆والدہ رسول ﷺ کی قبر مبارک کی مسماری کے بعد پہلی بار پاکستان، برطانیہ، امریکہ میں سرکاری سفارت خانوں کا گھیراؤ کیا گیا۔ اسلامی ممالک کے سربراہوں کو بار بار یادداشتیں بھیجی گئیں۔ دنیا بھر میں سیدہ آمنہ کانفرنسیں منعقد کی گئیں اور اس طرح آثار کی بحالی کے لئے اور نجدی اقدام کے خلاف دنیا بھر میں بے مثال بیداری پیدا کی۔ ☆پرویز حکومت نے ختم نبوت اور اسلامی دفعات معطل کر دیں، عالمی تنظیم اہل سنت نے 18 روز جی ایچ کیو کے سامنے مردانہ وار گرفتاریاں پیش کیں جس کے نتیجے میں ختم نبوت اور دیگر اسلامی دفعات بحال ہوئیں۔ ☆بعد ازاں جی ایچ کیو کے سامنے زبردست مظاہروں کا اعلان کر کے حکومت کو نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ اور حقوق اہل سنت کی بحالی کے لئے آمادہ کیا گیا۔ لیکن اپنوں کی مخالفت کی وجہ سے جدوجہد کو سخت نقصان پہنچا۔ ☆مارشل لاء دور حکومت میں شہر شہر نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے آواز بلند کی گئی اور پشاور سے لاہور تک نظام مصطفےٰ ﷺ ٹرین مارچ کیا گیا۔ ☆کھاریاں، گجرات، گوجرانوالہ، سیالکوٹ اور لاہور سے آرمی کے جوا اور فحاشی کے میلوں کو دباؤ ڈال کر ختم کروایا گیا۔ ☆جنرل پرویز مشرف نے 295 سی میں ترمیم کی تو سنی تنظیموں کو منظم کر کے حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا مارشل لاء دور میں بھی رہیں۔ حکومت کے خلاف پہلا زبردست احتجاجی جلوس نکالا گیا سینکڑوں گرفتار ہوئے جس کے نتیجے میں جنرل صاحب نے ترمیم واپس لی۔ ☆تحریک افغانستان میں حکومت کی اسلام اور پاکستان دشمن پالیسی کے خلاف نہ صرف شدید احتجاج کیا بلکہ شرعی فتویٰ جاری کیا جس کی پاداش میں مرکزی امیر، پیر محمد افضل قادری 52 روز میانوالی جیل میں غازی علم دین شہید کے کمرے میں قید تنہائی میں رکھے گئے۔ ☆ملک بھر میں جگہ جگہ خواتین کے لئے ترجمۃ القرآن کی کلاسیں جاری کی گئی اور شہر شہر درس قرآن کے سلسلے جاری کئے جا رہے ہیں۔ ☆بے مثال علمی مضامین پر مشتمل رسالہ ماہنامہ ''اہلسنت'' جاری کیا گیا جو کہ اس وقت دنیا بھر میں تمام سنی رسالوں سے زیادہ مقبول ہو چکا ہے۔ ☆پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی عالمی تنظیم اہلسنت کی شاخیں قائم کی گئیں اور فقید المثال سیدہ آمنہ کانفرنسیں منعقد کیں۔

اس شاندار اور بے مثال کارکردگی کی بناء پر عالمی تنظیم اہلسنت کا حق بنتا ہے کہ سنی مشائخ و علماء اور سنی عوام تنظیم کا ساتھ دیں۔

الداعی الی الخیر: **پیر محمد افضل قادری مرکزی امیر تنظیم اہل سنت**

فون: 0092-433-521401 فیکس: 0092-433-521402

مرزا عبدالرزاق طاہر، رضوان مختار رندھاوا، ارباب محمد ظفر اللہ، حاجی محمد سرفراز جوئیہ مرحوم

جشن خوشاب کے موقع پر "حسن قرآت ونعت" میں اعزاز یافتہ طلبہ
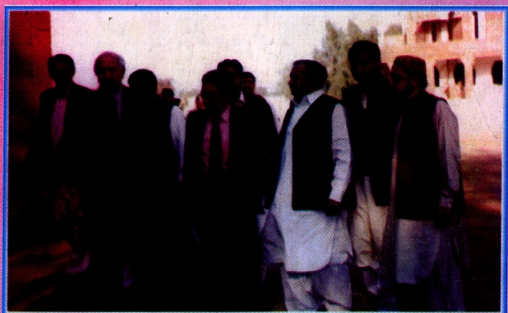
وزیر مال ملک محمد اسلم جوہر آباد پریس کلب میں میٹ دی پریس پروگرام کے بعد انتظامیہ اور صحافیوں ساتھ
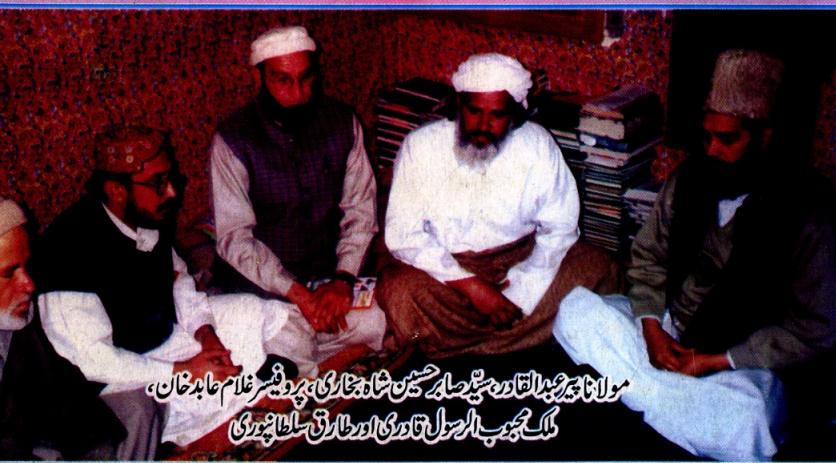
مولانا پیر عبدالقادر، سیّد صابر حسین شاہ بخاری، پروفیسر غلام عابد خان،
ملک محبوب الرسول قادری اور طارق سلطانپوری